بارگاہِ سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ منادی نئی دہلی

دسمبر 2025/جنوری 2026



تجھ سا نہ تھا کوئی نہ کوئی ہے حسین کہیں
تو بے مثال ہے ترا ثانی نہیں کہیں

© https://www.KhwajaHasanNizami.life

مُنَادِیًا یُّنَادِی لِلاِیمَانِ

مُنادی کرنے والا با آواز بلند ایمان کی طرف بُلا رہا ہے۔(سورۃ آل عمران:193)

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ سے

ایمان اور امن کی ندا دینے والا

اور ان کے جانشین

امام المشائخ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اور حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلویؒ کی یادگار

ماہنامہ منادی نئی دہلی

دسمبر 2025ء/جنوری 2026

جلد : 04 شمارہ : 01-02

مدیر اعلیٰ	:	خواجہ سید محمد شافی نظامی
مدیر	:	عبدالملک نظامی
اعزازی مدیر	:	ملا دورویش محی الدین خالد نظامی، ادونی
کمپوزنگ	:	اسماک آرٹس اینڈ گرافکس، ناندیڑ
سرورق ڈیزائن	:	حافظ محمد رفیق احمد نظامی، ادونی
ای میل	:	amaliknizami@gmail.com
دفتر کا پتہ	:	خواجہ ہال، بستی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، نئی دہلی۔13
رابطہ	:	919673379359،919810020922

رسالے میں شامل مواد قلمکار کی اپنی رائے ہے۔اس سے ادارہ منادی یا اس کے مدیران کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

© https://www.khwajahasannizami.life

فہرست

الفاتحہ	----	04
تعزیت نامہ	----	05
حاضری اور فاتحہ کا طریقہ	حضرت خواجہ حسن ثانی نظامیؒ	06
تعلیمات سلسلہ عالیہ چشتیہ پر ہندوستانی اثرات	حضرت خواجہ حسن ثانی نظامیؒ	08
اجمیر شریف کی زیارتیں	حضرت خواجہ حسن ثانی نظامیؒ	13
حضرت خواجہ غریب نوازؒ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	17
خانوادہ چشتیہ، ابتداء نشوونما اور ہندوستان میں آمد	سید خورشید مصطفی رضوی	20
مشائخ چشتؒ کی اخلاقی تعلیمات	ڈاکٹر سید مقبول احمد	28
اولیاء اللہؒ کے عرسوں کا جواز	حضرت حاجی شاہ بدرالدین احمد	33
عرس اور اس کا جواز	حضرت سید شاہ محمد فاروق صاحب	37
وسیلہ کی اہمیت وافادیت	جناب مولانا شبنم کمال مظفر پوری	40
آداب سماع	فقیر حامد الدین احمد حسینی الحسنی	45
حلقہ نظامیہ	-------	55

© https://www.khwajahasannizami.life

شروع بنام اللہ قلم کا رکل
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الفاتحہ

سات صدیوں کا فاصلہ پیچھے چھوڑے ایک صدا آج تک گیان دھیان کے دیش ہندوستان اور اس سے آگے بڑھ کر سارے جہان میں گونج رہی ہے۔ کِشندہ کُشندہ بُود جو برداشت کرلیتا ہے۔ مار ڈالتا ہے۔ جیت لیتا ہے۔

یہ آواز، یہ پکارا، عارف کامل، حجرہ فقر کے بادشاہ – عالم دل کے جہاں پناہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کی آواز ہے۔ لبیک کہنے والے بے شمار ہیں۔ یہ وہ صدا ہے جس پر خود حضرت سلطان المشائخؒ نے بھی لبیک کہی تھی۔ اور ان کی لبیک اس صدائے سرمدی کے جواب میں تھی جو روپ بدل بدل کر ہر زمانے میں طرح طرح سے ابھرتی رہی ہے۔ کربلا میں بھی یہ صدا ابھری اور سارے جہان سے اس نے کہلوالیا۔ قتل حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے تھے۔ انسان کے اندر ایک چیز ہے جسے نفس کہتے ہیں۔ اور ایک اور چیز ہے جسے دل کہتے ہیں۔ اگر کوئی تمہارے ساتھ نفس سے پیش آئے۔ تمہیں بُرا کہے تمہارا بُرا چاہے تو تم اس کا جواب نفس سے دینے کے بجائے دل سے دو۔ وہ شخص رام ہو جائے گا۔ کل کا دشمن آج کا دوست بن جائے گا۔ حضرت نے سچ کہا۔ پیار کی مار بھی عجب مار ہے۔ اس کا وار خالی جاتا ہی نہیں۔ جہاں تیر تفنگ کام نہیں دیتے وہاں محبت کی تلوار اپنا کام دکھاتی ہے۔ مہاتما گاندھی نے بھی اس تلوار کو اپنی کمر سے باندھا۔ ستیہ گرہ، کِشندہ کُشندہ کا ہی دوسرا نام تھا۔ وہ غیر ملکی حکومت جس کی قلمرو میں سورج نہیں ڈوبتا تھا جس کے ٹینک زمین کو روندتے پھرتے تھے۔ ہوائی جہاز خلاؤں میں حکمرانی کرتے تھے اور بحری فوجوں نے سمندروں میں جھنڈے گاڑ رکھے تھے ستیہ گرہ کے اس بے ضرر ہتھیار سے مغلوب ہوگئی۔ اور اس شان سے مغلوب ہوئی کہ غلام ہندوستان کا وائسرائے آزاد ہندوستان کا گورنر جنرل بنا۔

بڑا مزا اس ملاپ میں ہے
جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

نئی دنیا کی نجات بھی کِشندہ کُشندہ میں مضمر ہے۔ وہ دن دور نہیں۔ جب ریسرچ اور تحقیق ایٹم بم، ہائیڈروجن اور نیوٹرون بم پر نہ ہوگی بلکہ اس پر ہوگی کہ برداشت سے کام کیونکر لیا جاتا ہے۔ راضی برضا کیسے رہتے ہیں۔ پرایا دل کس طرح جیتتے ہیں۔ غالب نے تو یہ کہا تھا کہ

دوست دارد دشمن ہے اعتماد دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

لیکن اب دشمن سے دوست داری بے اثر اور بے فیض نہ رہے گی۔ پیار کرنے والوں کی برداشت شیفتگی چاہنے والوں کی لگن اپنا اثر دکھا کر رہیں گی۔ دشمن کا بہروپ بھرنے والا دوست اپنا اصل روپ دکھائے گا۔ شرط بس یہ ہے کہ ہم بھی برداشت کے آداب سیکھیں۔ پیار کی ان بے آواز صداؤں کو سنیں۔ جو ہر طرف سے بس یہ پیغام دے رہی ہیں۔ کِشندہ کُشندہ بُود– کِشندہ کُشندہ بُود– جو برداشت کرلیتا ہے مار ڈالتا ہے، جو برداشت کرلیتا ہے۔ جیت جاتا ہے۔

خواجہ مہدی نظامی
(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو)
(ماخوذ ماہنامہ منادی نئی دہلی، جلد 56، شمارہ 8 تا 10)

© https://www.khwajahasannizami.life



تعزیت نامہ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ کے سجادہ نشیں، خواجہ حسن نظامی دہلوی کے حقیقی پوتے اور حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلیؒ کے جانشین و مدیر اعلی ماہنامہ منادی نئی دہلی آن لائن حضرت خواجہ سید محمد نظامی دہلی رتن ابن خواجہ سید مہدی نظامیؒ نے 7 رفروری 2026 کو جام شہادت نوش فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سانحہ انتقال سے ایک دن قبل آپ نے منادی کی اشاعت سے متعلق مجھ سے گفتگو کی۔ انتقال کی دوپہر کو محترم معراج نظامی صاحب سے منادی کا تذکرہ کیا۔ بہر حال اللہ تعالی کی مشیت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمیں تو یہ بات بتادی گئی ہے کہ ”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مُردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔“ (سورہ البقرہ:154)

حضرت سید صاحبؒ کا وصال بھی شہادت کے درجات میں سے ایک درجہ ہے۔ اللہ تعالی خواجگان چشت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صدقے طفیل آپ کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین وحلقہ بگوش کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت خواجہ سید محمد نظامی دہلی رتنؒ کے فرزند و جانشین حضرت خواجہ سید محمد شافی نظامی مدظلہ العالی کو سلسلہ نظامیہ کی تعلیمات پر عمل کرنے اور اسے پروان چڑھانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مدیر و سوگوار

عبدالملک نظامی ناندیڑ



© https://www.khwajahasannizami.life

حاضری اور فاتحہ کا طریقہ

از: حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلیؒ

اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضر ہونے والے کو چاہیے کہ پاک صاف ہو کر باوضو حاضری دے۔ اور حاضری کے وقت پوری طرح مودب رہے۔ ہنسی مذاق سے پرہیز کرے۔ کسی کے ساتھ بد زبانی اور گالی گلوج بھی نہ کرے۔ اگر کوئی اس کے ساتھ زیادتی سے پیش آئے تو حتی الامکان جواب دینے کے بجائے خاموش ہو جائے اور صبر کرے۔ دل کو بُرے خیالات سے بچائے۔ اور نگاہ کو اس طرح قابو میں رکھے کہ کوئی بری چیز برے خیال سے نہ دیکھی جائے۔ مزار کے قریب کھانا پینا بھی بھی درست نہیں ہے۔ مزار پر حاضر ہو کر اظہار عقیدت کے لئے قدم بوسی کرنا اور پھول چڑھانا جائز ہے۔ لیکن اگر کسی کے خیال میں قدم بوسی کرنا درست نہ ہو تو وہ بغیر قدم بوس ہوئے ادب سے حاضر ہو سکتا ہے۔ فاتحہ کے لئے اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ چہرہ مزار کی طرف ہو اور پشت قبلے کی طرف۔ اگر وقت کم ہو تو اول و آخر درود شریف کے ساتھ تین بار قل ہو اللہ اور ایک بار سورہ فاتحہ (الحمد شریف) پڑھ کر ایصال ثواب کریں۔ یعنی یہ کہیں کہ یا اللہ قرآن مجید کی جن سورتوں کو میں نے پڑھا ہے۔ اس کو قبول فرما اور اس کا ثواب صاحب مزار کی روح کو پہنچا۔ یہ مزار تیرے مقبول اور محبوب بندے کا ہے۔ میں تیری بارگاہ میں ان کے وسیلے سے التجا پیش کرتا ہوں (اس کے بعد جو کچھ دعا مانگنی ہو مانگے) تو اسے قبول فرما اور میری مراد پوری کر۔ اور اس کے ساتھ ہی مزار کی طرف متوجہ ہو کر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ اللہ کے محبوب اور مقبول ہیں۔ میری دعا پر آمین فرمائیے تاکہ آپ کے صدقے میں اللہ میری حاجت کو پورا فرمائے۔ آمین۔

اگر وقت ہو تو تین بار قل ہو اللہ اور الحمد کے علاوہ جس قدر قرآن مجید یاد ہو اور پڑھ سکتا ہو پڑھے۔ فاتحہ اور دعا سے فارغ ہو کر ادب سے واپس آجائے۔ مزار شریف پر حاضر رہ کر قرآن خوانی کرتے رہنا بہت اچھا ہے۔ اس کے علاوہ مراقبہ وغیرہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ سب چیزیں ہر شخص کو اسکا پیر یا روحانی مقتدا بتا سکتا ہے۔ یہاں بالکل ابتدائی چیزیں لکھی جارہی ہیں۔ جن کو ممکن ہے بعض مقتدی نہ جانتے ہوں۔ شیرینی اور کھانے وغیرہ پر فاتحہ اس طریقے سے دی جاتی ہے کہ جتنا قرآن مجید پڑھ سکتا ہو پڑھے۔ اور اس کے بعد سورہ التکاثر ایک بار سورہ کافرون ایک بار۔ سورہ اخلاص (قل ہو اللہ) تین بار سورہ فلق ایک بار سورہ الناس، ایک بار سورہ فاتحہ، ایک بار سورہ بقر کا پہلا رکوع مفلحون تک ایک بار اور مندرجہ ذیل پانچ آیتیں ایک بار پڑھے:۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۞

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۞

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۞

© https://www.khwajahasannizami.life

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞

اس کے بعد درود شریف پڑھا جائے اور کہا جائے ۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۞ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۞ اور جو ثواب پہنچانا ہو پہنچائے ۔ اگر کسی ایسے شخص کے لئے ایصال ثواب کیا جا رہا ہے جو کسی کا مرید ہے اور صاحب سلسلہ ہے تو پھر درود شریف پڑھنے کے بعد اس شخص کا شجرہ طریقت سرکار دو عالم ﷺ سے لے کر آخر تک پڑھا جائے ۔ اور پھر ایصال ثواب کیا جائے ۔ اور تکبیر اللہ اکبر اللہ اکبر لا إله إلا الله والله اکبر اللہ اکبر وَلِلّٰهِ الْحَمْد کہی جائے ۔ تکبیر کے بعد بزرگان سلسلہ کے واسطے اور وسیلہ سے بارگاہ الٰہی میں دعاء مانگی جائے ۔

(ماخوذ: ماہنامہ منادی نئی دہلی، دسمبر 1961ء)

☆☆☆☆☆☆☆













تعلیمات سلسلہ عالیہ چشتیہ پر ہندوستانی اثرات

از: حضرت خواجہ حسن ثانی نظامیؒ

حضرات!

اجازت چاہتا ہوں کہ اس ہندوی، اُس اردو کا کچھ ذکر آپ کے سامنے کروں جس نے بابا فریدؒ اور بابا نظامؒ کی گود میں آنکھ کھولی اور ان کے جانشینوں کی انگلی پکڑ کر اول اول خانقاہوں کے صحن میں چلنا سیکھا۔ جس کے ذریعے آسمان کی باتیں زمین کے کام کی بنیں۔ آدمی نے آدمی کو اور اپنے پالن ہار رب کو پہچانا۔ جس نے آزادی اور حریت کا پیغام دیا اور جس سے محبت اور اتحاد کا گھر آج تک بنا ہوا ہے۔ انگریزی کی مشہور کہاوت Made for each other دونوں ایک دوسرے کے لیے بنائے گئے آپ نے یقیناً سن رکھی ہوگی۔ یہ کہاوت جیسی ہندوستان اور صوفیوں کے چشتیہ سلسلے پر کھری اترتی ہے۔ کہیں اور شاید ہی اترتی ہو۔ گواہی آپ کس کی پسند کریں گے؟ میرے پاس تو سب سے بڑی گواہی خود حضرت محمد مصطفی پیغمبر اسلام ﷺ کی ہے۔ جنہوں نے روحانی اشارے کے ذریعے ایک طرف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو ہندوستان بھیجا اور دوسری طرف اپنی یہ حدیث یادگار چھوڑی کہ مجھے ہندوستان کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ اور علامہ اقبال جیسے شاعر نے اپنا اور اپنے وطن کا تعارف اس طرح کرایا کہ

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے۔ میرا وطن وہی ہے

اردو سے گہرا تعلق رکھنے والے تین بزرگوں (1) حضرت میراں جی شمس العشاقؒ (۲) حضرت برہان الدین جانمؒ (۳) حضرت امین الدین علی اعلیٰؒ (بیجاپوری) سے کون اردو والا ہے جو واقف نہیں۔ ان میں سے پہلے بزرگ یعنی حضرت میران ہی شمس العشاقؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث پاکؒ کی اولاد تھے۔ مکے میں پیدا ہوئے۔ قادریہ سلسلے کی خلافت رکھتے تھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے خواب میں حکم ہوا۔ ہندوستان جاؤ اور بیجاپور میں قیام رکھنا۔ چنانچہ وہ ہندوستان آئے۔ اور یہاں چشتیہ سلسلے کا زور شور دیکھا تو اس سلسلے میں بیعت کی اور اجازت حاصل کی۔ حضرت امین الدین علی اعلیٰؒ کے ایک خلیفہ کی درگاہ کوتال آندھرا میں مرجع خلائق ہے۔ وہ اور ان کی اولاد آج تک جگت گرولنگ بند کہلاتی ہے۔ پروفیسر علی محمد خسرو بھی حضرت امین الدین علی اعلیٰؒ کی اولاد تھے۔ پاکستانی پنجاب میں چشتیہ سلسلے کے ایک نامور بزرگ حضرت خواجہ غلام فریدؒ ہیں۔ جو پنجابی سرائیکی اور اردو میں شعر کہتے تھے اور بڑے مقبول شاعر تھے۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

اے حسن حقیقی نور ازل
تینوں واجب تے امکان کہوں
تینوں خالق ذات قدیم کہوں
تینوں حادث خلق جہاں کہوں
تینوں مندر مسجد دیر کہوں

تینوں پوتھی تے قرآن کہوں
تینوں دسرت لچھمن رام کہوں
تینوں سیتاجی جاناں کہوں
تینوں ہر دل دا دلدار کہوں
تینوں احمد عالی شان کہوں
بن دلبر شکل جہاں آیا
ہر صورت عین عیان آیا
کتھے آدمؑ کتھے شیثؑ
کتھے نوحؑ کتھاں طوفان آیا
کتھے ابراہیم خلیل نبیؑ
کتھے یوسفؑ وچ کنعان آیا
کتھے عیسیٰؑ تے الیاس نبیؑ
کتھے لچھمن رام تے کان آیا
کتھے احمدؐ شاہ رسولاں دا
محبوب سبھی مقبولاں دا

حضرت خواجہ غلام فریدؒ (حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے متعدد شیوخ میں سے ایک حضرت خواجہ غلام فریدؒ بھی ہیں۔) کے دادا پیر خواجہ سلیمان تونسویؒ اور ان کے ایک بہت ہی مشہور خلیفہ حضرت حافظ محمد علی خیر آبادیؒ مغل حکومت کے آخری زمانے کے ہنگاموں سے بیزار ہو کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہاں ان کو بھی پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے خواب میں حکم ہوا کہ ہندوستان واپس جاؤ اور دہلی میں چشتی سلسلے کی سب سے بڑی درگاہ خواجہ قطب صاحب کی خدمت کرو۔ یہاں آ کر سوچا کہ یہاں کس خدمت کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے، تو احساس ہوا کہ پہاڑی علاقہ ہونے کے سبب پانی کے کنویں بہت گہرے ہیں اور بیلوں کی مدد سے یا کئی آدمی مل کر پانی کا ڈول کھینچ سکتے ہیں۔ اور پانی کمیاب ہونے سے پبلک لیٹرین جو درگاہ کی طرف سے ہیں، ان کی صفائی بھی پوری نہیں ہونے پاتی۔ چنانچہ یہ خدمت اپنے ذمے لے لی۔ ان حافظ محمد علی صاحب کے ایک خلیفہ حیدرآباد دکن میں صوفی حبیب علی شاہ صاحبؒ ہوئے۔ ایک روز انھوں نے اپنے مریدوں کے مجمع میں بیٹھے بیٹھے فرمایا کہ میں نے سنا ہے۔ انگریز حاکم ہندوستانی مزدوروں کو گنے کے کھیت کاٹنے کے لیے جنوبی افریقہ لے جاتے ہیں اور بڑی تنخواہ وغیرہ کے جو وعدے کیے جاتے ہیں۔ وہ پورے نہیں ہوتے۔ اکثر مزدور بال بچوں کے ساتھ جاتے ہیں۔ اور وہاں کی مصیبتوں میں مبتلا ہو کر مر جاتے ہیں تو ان کے یتیم بچوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ مجبوراً گوروں کے قائم کردہ یتیم خانوں میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں ان کے مذہب پر بن جاتی ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہاں ہم ہندوستانیوں کا بھی کوئی یتیم خانہ ہوتا۔ اپنا مدرسہ ہوتا۔ دیکھ بھال ہوتی۔ پیر صاحب تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے۔ یکا یک ان کے مریدوں میں سے کوکن کے ایک مرید اور خلیفہ صوفی غلام محمد اٹھے اور عرض کیا حضور مجھے اجازت ہے۔ پیر نے کہا بسم اللہ۔ وہ اٹھے نام پلی اسٹیشن سامنے ہی تھا۔ بمبئی کی ٹرین میں بیٹھے۔ وہاں اپنے کچھ مریدوں سے بس اتنی مدد لی کہ مال کے جہاز میں ڈربن کا ٹکٹ مل

© https://www.khwajahasannizami.life

جائے۔ یہ ۱۸۹۵ء کا واقعہ ہے۔ ۱۹۱۰ یا ۱۹۱۲ء میں صوفی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اُس وقت تک وہ جنوبی افریقہ کے کئی شہروں مثلاً لیڈی اسمتھ، کیپ ٹاؤن وغیرہ میں کئی یتیم خانے اور مدرسے قائم کر چکے تھے۔ مجھے برسوں پہلے افریقہ جانے کا اتفاق ہوا تو چونکہ صوفی صاحب کے دادا پیر کی دلت اُدھار کی مہم سے واقف تھا اور گاندھی جی کو تو خود دیکھا تھا۔ ڈربن والوں سے پوچھا کہ کیا گاندھی جی کا صوفی صاحب سے کچھ تعلق تھا۔ بتایا گیا کہ بہت تھا۔ تقریباً روز ہی کی ملاقات تھی۔ ابھی دو ہفتے پہلے صوفی غلام محمد صاحب کی درگاہ کے سجادہ نشین حضرت صوفی سعید صاحب دہلی آئے تو میں نے ان سے مزید پوچھا اور یہ سن کر حیران رہ گیا کہ صوفی غلام محمد صاحب نے اپنی خانقاہ کے لیے ایک ٹرسٹ بنوایا اس کے رجسٹریشن کی کارروائی انھوں نے اپنے دوست وکیل گاندھی جی سے کرائی اور کام پورا ہونے کے بعد وکیل صاحب سے فیس پوچھی تو وہ بولے میں آپ سے فیس ضرور لوں گا۔ مگر میری فیس یہ ہوگی آپ مجھے اپنے جیسا مہاتما بنا دو! سجادہ نشین صاحب نے بتایا کہ انھوں نے درگاہ میں جو میوزیم بنایا ہے۔ اس میں ہندوستان سے لے جائے گئے تعزیے جیسی چیزوں کے ساتھ گاندھی جی کے ہاتھ کا بنایا ہوا وہ ڈرافٹ بھی ہے، جس کا معاوضہ انھوں نے مہاتما بنے کی صورت میں مانگا تھا۔ اور ساری دنیا نے انہیں پھر مہاتما ہی کہا۔

مجھے معلوم نہیں گاندھی جی نے اردو کب اور کہاں سیکھی۔ لیکن میرے والد خواجہ حسن نظامیؒ کے نام ان کے جتنے خط ہیں، سب اردو میں ہیں۔ "چشتیہ سلسلہ ہندوستان کے لیے اور ہندوستان چشتیہ سلسلے کے لیے" کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت امیر خورد کرمانیؒ مصنف سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اجودھن جا کر حضرت بابا فریدؒ کے مرید ہوئے تو انھوں نے اپنے چھوٹے داماد سید بدرالدین اسحاقؒ کو بلا کر کہا کہ تم پرانے دہلی والے ہو اور مولانا نظام الدین بھی دہلی سے آئے ہیں، ان کو اپنے ہاں ٹھہراؤ اور پیر کے ادب آداب سکھاؤ۔ پرانی دہلی سے ان کا اشارہ یقیناً راجاؤں کے عہد کی دلی کی طرف تھا۔ خواجہ بندہ نوازؒ کی والدہ کا نام بی بی رانی تھا۔ (حوالہ حوض رانی) اور حضرت کے والد راجو قتال کہلائے۔ یہ نام ہندوستان میں طویل قیام کی علامت ہیں۔ حضرت امیر خسروؒ کے مربی امیر کا نام بھی امیر چھجو تھا۔ جو ہندوستانی نام ہے۔ گویا خواجہ بندہ نوازؒ اور خواجہ بدرالدین اسحاق جو دونوں نسبی طور پر عابدی سید ہیں۔ ہندو حکومت کے زمانے ہی میں دہلی آگئے تھے اور یہاں کے راجاؤں اور تاجروں نے شاید ان کو اسی لیے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا کہ وہ کعبے کو ایک مندر کی حیثیت سے جانتے تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے خانوادے کو کعبے کے پجاریوں کی حیثیت سے! کسی نے پیغمبر کا ظہور بھی ودوان ہندوؤں کے لیے اچھنبے کی بات نہیں تھی۔ ان سے زیادہ اوتاروں کے جنم لینے کو بھلا اور کون جان سکتا تھا۔ لہٰذا خود اسلام کی جنم بھومی میں اگر ماحول Confrontation اور مقابلہ آرائی کا تھا تو ہندوستان میں معاملہ برعکس ہونا کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔ واضح رہے کہ چشتیہ سلسلہ حضرت امام حسینؓ اور خواجہ حسن بصریؒ دونوں ذریعوں سے حضرت علیؓ سے متصل ہوتا ہے۔ اور یہاں

عابدیت کا حوالہ اسی نسبت سے ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے چونکہ ہر صوفی کی طرح تصوف اسلام اور دین دھرم سب خود ان کے اپنے بڑے کینوس کے اندر ہی دیکھا تھا۔ اس لیے ان کا طرز عمل بھی ٹھیک اس سوچ کے مطابق رہا۔ حضرت خواجہ بزرگؒ نے جو اہم ترین کام اپنے ایک خاص چنے ہوئے مرید کے سپرد کیا۔ وہ فتوی دینے کا کام تھا۔ فتوے کو آج مسلمان مسلکوں میں انتشار پھیلانے والا سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ اس کو حضرت کے صاحب فراست مفتی حضرت حمید الدین سوالیؒ نے اطمینان اور امن چین کی بات بنا دیا۔ اور میل ملاپ کے قصر کی دیوار ہی پر تعمیر ہوئی۔ حضرت سوالی کی پوسٹنگ کہاں ہوئی؟ ایک ایسے شہر میں جہاں جینی ہی جینی آباد تھے۔ حضرت نے شاکاہاری مسلک پر کوئی گفتگو نہیں کی۔ نہ فتوے کا نام لیا۔ بس یہ اعلان کر دیا کہ جو میرے پاس آئے نہ گوشت کھائے نہ گوشت لائے۔ آج تک ناگور راجستھان میں اس کا چلن ہے۔ موصوف کے بڑے اسلامی اور صوفی کینوس پر جو روپ ابھرا وہ یہ تھا کہ تم سے تمھارا پڑوسی دکھی نہ ہو۔ کوئی من چلا پیغمبر اسلام ﷺ سے یہ بھی پوچھ بیٹھا تھا، حضور پڑوس کسے کہیں گے؟ جواب ملا۔ ہر شخص کے گھر کے اطراف چالیس چالیس گھر تک بس پڑوس ہی پڑوس ہے۔ اب ذرا سوچیے آپ اپنے Immediate پڑوسی کے پچھواڑے پہنچے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ اکتالیسواں گھر بھی پڑوس ہی پڑوس ہے۔ نہ آپ کو ذمے داری سے چھٹی نہ آپ کے اکتالیسویں اور بیالیسویں پڑوس کو کھل کھیلنے کی اجازت۔ خواجہ صاحب اجمیریؒ کے صوفی مفتی کی نظر کتاب کے اُس صفحے پر نہیں رکی۔ جہاں زبان کے چٹخاروں اور صحت کے مشوروں کی ضرورت تھی۔ بلکہ وہاں رکی جہاں پڑوسی کے حق کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ جب زمین کے ساتھ جڑے ہو تو اس کا حق بھی تو ادا کرنا ہی ہے! ہم نے گاجر کے کھیت کے ایک ڈولے دوسری جانب کسی کو تمباکو کاشت کرتے کہاں دیکھا؟

آٹھ سو برس بیت گئے۔ درگاہ اجمیر کے لنگر کے برتنوں میں گوشت ماس تو کیا، کبھی لہسن پیاز بھی نہیں ڈالے گئے۔ پرہیزی لنگر دنیا آٹھ سو برس سے کھا ہی رہی ہے۔ سب خوش ہیں۔ ناراض کوئی نہیں۔ اسلامی فقہ کے فتووں کے سلسلے میں جس طرح حضرت صوفی حمید الدین ناگوری چشتیؒ نے کھانے پینے کی عادتوں اور اجازتوں کے پس منظر میں اسلام کے بڑے کینوس سے حق پڑوس کو اتارا۔ اس طرح حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی نظر ترک دنیا اور شادی بیاہ کے فتووں کے سلسلے میں بھی اسلام کے بڑے کینوس کی طرف گئی۔ ہمارے ہاں نکاح کے موقعے پر عام طور پر جو حدیث شریف پڑھی جاتی ہے، وہ دراصل دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ ایک حدیث صرف تین لفظوں پر مشتمل ہے۔ "النکاح من سنتی" نکاح یعنی ایک خاص طریقے سے شادی کی گرہ لگانا میری سنت (طریقے) ہے۔ اس کا دوسرا حصہ ہے۔ "فمن رغب عن سنتی فلیس منی" یہ دوسرے کسی موقعے پر کہی ہوئی بات ہے۔ ذکر اس میں سنت یعنی رسول علیہ السلام کے طریقے ہی کا ہے کہ جس نے میرے طریقے کو ترک کیا۔ چھوڑا، وہ مجھ سے نہیں۔ لیکن وہ سوسائٹی جو صرف مردوں کے لیے بندہ بے دام بنی ہوئی تھی۔

اس نے اس بات کا حق ادا کرنے میں کوتاہی برتی کہ پیغمبر نے اُن لوگوں کو جو معاشی اعتبار سے بیوی بچوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں تھے مشورہ دیا کہ وہ خوش حال ہو جانے تک شادی بیاہ سے پرہیز کریں۔ گویا کسی بے قصور عورت کو اپنی مفلسی کا شکار نہ بنائیں۔ اور نفس کو برائی کی طرف راغب ہونے سے بچانے کے لیے برت اور روزے رکھیں۔

ہندوستان میں برہمچریہ کے حکم اور وجوہات سے قطع نظر اتنی بات تو بالکل سامنے کی موجود ہی ہے کہ اس کی طرف اگر اکابر صوفیا کی توجہ گئی تو وہ ہندوستان کا پس منظر ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ایک طرف حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے ارشاد فرمایا۔ شادی نہ کرنا عزیمت ہے اور شادی کرنا رخصت! تو اس کی تشریح یہ فرمائی کہ جس کسی کو شادی بیاہ کا خیال آتا رہتا ہے۔ اس کو فوراً شادی کر لینی چاہیے۔ لیکن اگر کوئی اچھے اور خاص کام میں لگا ہوا ہے اور ایسا مصروف ہے کہ اس کا دھیان شادی بیاہ کی طرف جاتا ہی نہیں اور وہ اپنے کام میں لگا رہنا چاہتا ہے تو وہ اپنی عزیمت کی وجہ ہے کنوارا رہنے کے خطرات سے بچا رہ سکتا ہے اور اس کو اس لحاظ سے رخصت ہے۔ مثال انھوں نے جنگ کی دی کہ سپاہی جب تک جنگ لڑ رہا ہے اس کے لیے مقابلہ آرائی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ اس کو ایسے وقت شہوت کا خیال آ ہی نہیں سکتا۔ اپنے زخموں تک کی خبر نہیں لگتی، کیمپ پہنچتا ہے تو پتہ چلتا ہے، کہاں کہاں چوٹ کھائی۔ خواجہ حسن علا سجزیؒ نے اپنے جمع کردہ ملفوظ فوائد الفواد میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا بیان کردہ یہ قصہ لکھا ہے کہ۔

کسی برہمن کا سارا مال اسباب کسی سلسلے میں ضبط ہو گیا۔ دوسرے ہی دن پنڈت جی کے ایک دوست نے دیکھا کہ خوش خوش جا رہے ہیں۔ اس نے پوچھا تمھارا سب کچھ تو چھن گیا اور اب خوشی کس بات کی نظر آ رہی ہے؟ براہمن نے اپنا جینو نکال کر دکھایا اور کہا، دولت چلی گئی تو کیا ہوا، میرا جینو تو میرے پاس ہی ہے۔ حضرت غالب چشتی نظامی نصیری نے بھی یہی بات کہی۔

و فاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

چشتیوں نے صدیوں پہلے ہی جینو کو وفاداری کی علامت قرار دے دیا تھا، اور حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ کے خادم حضرات نے جینو کو جینو کی حیثیت سے تو تبرک میں نہیں بانٹا البتہ کچے سوت کے لچھوں کو لال اور پیلا رنگ کر اس کا نام قلادہ رکھا۔ حضرت بابا صاحبؒ اپنی چٹائی اُٹھا، پنجاب کے ایک گمنام گاؤں اجودھن میں جا بیٹھے۔ پنجابی بولنے کیا لگے، جاپ اور وظیفہ بھی پنجابی میں بتانے لگے۔ بابا صاحبؒ ہندوستان کی اس بنیادی ضرورت کی طرف دھیان نہ دیتے تو میں نہیں جانتا کہ چار سو برس بعد سکھ گرو صاحبان بابا صاحبؒ کی بانی کو گورو گرنتھ صاحب میں جگہ دیتے یا نہ دیتے۔ لیکن بابا صاحبؒ پنجابی کو اپنا کر چشتیوں کے لیے یہ راستہ کھول چکے تھے اور معلوم نہیں کتنے مختلف عقیدوں کی تعلیمات اور بزرگ افراد کے لیے صراط مستقیم سامنے آ گئی تھی۔

(ماخوذ: ماہنامہ منادی نئی دہلی جلد 82، شمارہ 3)

☆☆☆☆☆☆☆

اجمیر شریف کی زیارتیں

از: حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلیؒ

اجمیر شریف میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی درگاہ ریلوے اسٹیشن سے زیادہ دور نہیں ہے۔ پندرہ بیس منٹ میں آدمی پیدل وہاں پہنچ سکتا ہے۔ سامان ساتھ ہو تو البتہ دقت ہوتی ہے۔ سامان کے لئے اسٹیشن پر قلی اور تانگے مل جاتے ہیں۔ درگاہ شریف کے قریب گالیاں ہیں جن میں تانگہ نہیں جاسکتا۔ تاہم جہاں تک تانگہ پہنچتا ہے وہاں بھی بہت قلی سامان اندر گلیوں میں پہنچانے کے لئے مل جاتے ہیں۔ اجمیر شریف میں بہت سے ہوٹل بھی ہیں لیکن زیادہ تر زائرین کا قیام درگاہ شریف کے خدام صاحبان کے پاس رہتا ہے جو زائرین کے آسائش کا بہت بڑے پیمانے پر انتظام کرتے ہیں۔ درگاہ کمیٹی کی طرف سے بھی زائرین کے قیام کا بندوبست رہتا ہے۔ اور درگاہ شریعت میں بھی بے شمار لوگ ٹھہر جاتے ہیں لیکن درگاہ شریف کے اندر ٹھہرنا کھانا پینا ادب کے لحاظ سے اچھا نہیں ہے۔ خدام صاحبان میں سے بعض کے متعلق شکایات بھی سنی جاتی ہیں۔ تاہم اگر زائر اجمیر شریف جانے سے قبل ہی اپنے واقف کاروں سے جو اجمیر شریف حاضر ہو چکے ہوں کسی معتبر خادم کا پتہ پوچھ لے اور ان کو پہلے سے اطلاع دے کر اپنے قیام کا انتظام کرلے تو بہت سہولت رہتی ہے۔ خواجہ صاحبؒ کی بارگاہ ایسی ہے کہ ہر گاؤں اور قریے کے آدمی یہاں حاضر ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر شخص کو اپنے محلے اور جان پہچان والوں میں ایسے آدمی مل سکتے ہیں جو درگاہ شریف کی زیارت کر چکے ہوں۔

درگاہ شریف کے کئی دروازے ہیں بڑا دروازہ درگاہ بازار کی طرف ہے۔ اس دروازے کے پاس منت کی دو بڑی دیگیں ہیں۔ ہر دیگ اتنی بڑی ہے کہ اس میں سیڑھی لگا کر اندر اترتے ہیں۔ جب کوئی شخص منت مانتا ہے تو ان دیگوں میں کھانا پکواتا ہے۔ اور یہ کھانا تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ لوٹا جاتا ہے۔ دیگوں کے قریب ہی آسمان جاہی مجلس خانہ ہے جہاں عرس کے ایام میں ہر شب کو قوالی ہوتی ہے۔ اور چھٹی رجب کو بڑا قل بھی اسی جگہ ہوتا ہے۔ یہاں سے آگے شاہجہانی مسجد اور صندلی مسجد کے دروازے ہیں۔ صندلی مسجد روضہ شریف کے سرہانے ہے۔ شاہ جہانی مسجد روضہ شریف کے پہلو میں جنتی دروازے کے قریب ہے۔ صندلی مسجد کے سامنے اولیا مسجد ہے۔ عام دنوں میں لوگ روضہ شریف کے مشرقی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہیں جو بیگی دالان میں کھلتا ہے۔ عرس کے ایام میں جنتی دروازہ بھی کھل جاتا ہے اور مشہور ہے کہ جب اس میں سے گزر جائے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی عقیدت سے حاضر ہو اور حضرت کی تعلیمات کو پیش نظر رکھے تو یہاں کا ہر دروازہ جنتی ہے۔ خواجہ غریب نوازؒ کے مزار کے اطراف چاندی کا کٹہرا ہے۔ پائیں چھوٹا سا دروازہ کٹہرے میں لگا ہوا ہے۔ جہاں سے لوگ قدم بوس ہوتے ہیں۔ لیکن عرس کے ایام میں زائرین کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ قدم بوسی کا موقعہ بمشکل

ملتا ہے۔ بہت سے لوگ کٹہرے کے پاس کھڑے ہو کر غلاف شریف کو بوسہ دے لیتے ہیں۔ درگاہ شریف کے احاطے میں بے شمار مشاہیر اور اولیاء اللہ مدفون ہیں لیکن یہ سب اپنے آقا خواجہ غریب نوازؒ کی طرف متوجہ رہتے۔ ہیں۔ اور حاضر ہونے والے کو بھی سوائے سلطان الہند کے اور کوئی نظر نہیں آتا۔ روضہ شریف کے پائین حضرت کی صاحبزادی حضرت بی بی حافظہ جمالؒ کا مزار ہے۔

صندلی مسجد کے پاس تہہ خانے میں وہ جگہ ہے جہاں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے عبادت کی تھی۔ یہ جگہ صرف محرم میں کھولی جاتی ہے۔ محفل خانے کی پشت پر حضرت خواجہ صاحبؒ کی خانقاہ ہے۔ جہاں پانچویں رجب کو عصر کے وقت مجلس ہوتی ہے۔ آج کل درگاہ اجمیر شریف کے دیوان حضرت قبلہ شاہ صولت حسین صاحب مدظلہ ہیں۔ حضرت کا قیام درگاہ بازار کے قریب اپنی حویلی میں رہتا ہے۔ آسمان جاہی محفل خانے میں اور خانقاہ میں حضرت دیوان صاحب ہی کے زیر صدارت مجلسیں ہوتی ہیں۔ اور حضرت ہی مزار شریف کو غسل دیتے ہیں۔ اجمیر شریف کے قدیم متولی حضرت قبلہ شاہ اسرار احمد صاحب مدظلہ اپنے بزرگوں کی خوبیوں کا نمونہ ہیں۔ حضرت کا قیام حویلی قدیم متولی صاحب میں رہتا ہے۔ درگاہ کمیٹی کی طرف سے آل محمد شاہ صاحب آج کل ایڈمنسٹریٹر ہیں۔ خدام صاحبان میں حضرت خان صاحب سید محمد حسین چینی صاحب – حضرت صاحبزادہ غیور میاں صاحب چشتی۔ حضرت صاحبزادہ یوسف مہاراج صاحب، حضرت صاحبزادہ فضل احمد صاحب سلیمانی، حضرت، حضرت صاحبزادہ خان بہادر عبدالوحید صاحب اور حضرت صاحبزادہ میر حسین علی صاحب وکیل جاورہ، حضرت صاحبزادہ فضل متین صاحب وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔

اجمیر شریف میں سالانہ عرس کی تقریبات یکم رجب سے چھ رجب تک رہتی ہیں چھٹی کو دن کے تقریباً ایک بجے آخری بڑا قل ہوتا ہے، جس وقت لوگ رخصت ہونے لگتے ہیں۔ نویں تاریخ کو ساری درگاہ شریف دھوئی جاتی ہے۔ اور یہ منظر قابل دید ہوتا ہے۔ امیر غریب ادنیٰ اعلیٰ سب مل کر درگاہ شریف کو دھوتے ہیں۔ اس غسل میں شرکت کے لئے بہت لوگ چھٹی کے بعد بھی اجمیر شریف میں مقیم رہتے ہیں۔

تارہ گڑھ کی زیارتیں : حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی درگاہ تارہ گڑھ کے دامن میں ہے۔ حضرت کی درگاہ سے پہاڑ کی بلندی پر ایک سفید عمارت نظر آتی ہے۔ جس کو حضرت غوث پاکؒ کا چلہ کہا جاتا ہے۔ حضرت غوث پاک کا ہندوستان میں تشریف لانا ثابت نہیں ہے۔ غالباً حضرت غوث پاک کے تبرکات یہاں ہوں گے اور حضرت کے متعلقین میں سے کوئی مقیم رہا ہوگا۔

حضرت غوث پاکؒ کے چلے سے اور اوپر چڑھیں تو ایک قلعہ آتا ہے۔ اس قلعے کے اندر حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے خسر حضرت سید حسین مشہدی کا مزار ہے جو خنگ سوار کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ بعض اور بزرگوں اور شہداء کے مزارات بھی یہاں بہت سے ہیں۔ کمزور آدمیوں اور عورتوں بچوں کا اس پہاڑ پر چڑھنا مشکل ہے۔ تاہم بہت سے اہل شوق ڈانڈیوں وغیرہ کے ذریعے اوپر پہنچ جاتے ہیں۔

آناساگر: اجمیر شریف میں آناساگر نام کا ایک مشہور قدیمی تالاب ہے جس کے متعلق حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی کرامتیں مشہور ہیں۔ ناساگر کے سامنے بلندی پر بزرگان چشت کے چلے ہیں۔

حضرخواجہ غریب نوازؒ کے حالات اور تعلیمات:

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا زمانہ تقریبا آٹھ سو برس پہلے کا ہے۔اور حضرت اس وقت ہندوستان تشریف لائے تھے جبکہ یہاں مسلمانوں کی مستقل حکومت قائم نہیں ہوئی تھی اور دہلی و اجمیر پر پرتھوی راج کا راج تھا۔اس زمانے میں نہ ریلیں موٹریں جہاز سفر کی آسانی کے لئے تھے۔نہ پروپگنڈے کے لئے اخبار ریڈیو اور کتابیں تھیں۔حضرت کے لئے یہ ملک بالکل نیا تھا۔جہاں ایک ایسی قوم آباد تھی جو زبان رسم رواج ،عادات، خصائل ہر چیز میں مسلمانوں سے مختلف تھی۔لیکن اس کے باوجود حضرتؒ نے اجمیر میں تشریف لا کر ایک ایسا روحانی مرکز قائم کیا جس نے صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے کونے کونے میں اپنے فیض کی روشنی پہنچا دی۔اور شائد کوئی جگہ ایسی نہ رہی جہاں خدائے واحد کی پرستش نہ ہونے لگی ہو۔

حضرت کی پیدائش سجستان ایران میں ہوئی تھی۔والد کا نام خواجہ سید غیاث الدین حسنؒ تھا۔لیکن حضرتؒ بہت کم عمر تھے کہ ان کا وصال ہوگیا۔حضرتؒ کو ایک مجذوب بزرگ نے کچھ تبرک کھلایا جس کے اثر سے حضرتؒ نے اپنے باغ اور املاک فروخت کر کے خیرات کر دیئے۔اور تارک دنیا ہو کر تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ اور کچھ عرصے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے بیعت کی اور مجاہدات و تکمیل سلوک کے بعد ان کی خلافت اور جانشینی سے مشرف ہوئے۔حضرت غریب نوازؒ نے بیس سال تک اپنے پیر کی خدمت کی اور ایک لمحے بھی اپنے نفس کو آرام نہ لینے دیا۔ہندوستان تشریف لانے کے بعد حضرت نے اجمیر میں قیام فرمایا۔اور بے شمار مخلوق روحانی کمالات سے متاثر ہو کر حضرت کی حلقہ بگوش ہوگئی۔یہ چیز اجمیر کے راجہ پرتھوی راج کو ناگوار گزری اور اس نے حضرت کو تکلیفیں پہنچانی شروع کیں۔مگر حضرت تو اس ملک میں سرکار دو عالم حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہو کر تشریف لائے تھے۔

راجہ حضرتؒ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکا اور حضرتؒ کی کرامت سے اس کی حکومت ہی ختم ہوگئی۔راجہ کے علاوہ بعض جوگیوں وغیرہ نے بھی حضرتؒ کی مخالفت کی اور اپنے شہروں سے حضرتؒ کی کرامتوں کو مغلوب کرنا چاہا۔مگر آخر کار خود مغلوب ہو گئے بڑے سے بڑا مخالف بھی جب حضرتؒ کے سامنے آتا تھا۔فوراً اس میں انقلاب پیدا ہوتا تھا اور مخالفت کے بجائے وہ حضرتؒ کا حلقہ بگوش بن جاتا تھا۔حضرتؒ کی بے شمار کرامتیں مشہور ہیں۔ یہاں ان کے بیان کرنے کا موقعہ نہیں ہے۔لیکن حضرتؒ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ انھوں نے اعلاء کلمتہ الحق اور صحیح خدا پرستی کے لئے جو روحانی مرکز قائم کیا تھا۔وہ آج تک قائم ہے۔ اور حضرت سے جو سلسلہ جاری ہوا اس میں بے شمار اولیاء اللہ ہوئے۔اور انہوں نے بڑی کامیابی سے حضرتؒ کے مشن کو جاری رکھا۔اور تقریبا آٹھ صدیاں گزر جانے کے باوجود نہ صرف حضرتؒ کے مزار پر انوار سے لوگ آج تک فیوض حاصل کرتے ہیں۔بلکہ حضرتؒ کے بے شمار جانشین مخلوق کی حاجت روائی کر رہے ہیں۔

جن لوگوں کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے اور جو حق بات دیکھنے کے باوجود اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ان کا تو ذکر فضول ہے لیکن حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے جاری و ساری فیوض کو موافق مخالف سب تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک بہت بڑے انگریز (غالبا وائسرائے) نے کہا تھا کہ ہندوستان آ کر میں نے جو سب سے عجیب بات دیکھی وہ یہ تھی کہ یہاں دراصل ایک قبر (مزار پر انوار خواجہ غریب نوازؒ) کی حکومت ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہندوستان کے روحانی سلطان حضور غریب نوازؒ ہی ہیں۔ وہ خدا کے ایسے مقبول اور چہیتے بندے تھے کہ انھوں نے ساری عمر نہ اپنے آرام کو دیکھا۔ نہ خواہشوں کا خیال کیا۔بس اللہ ہی کی طرف متوجہ رہے اور اس کے حکم کی تعمیل میں تن من دھن سب کو قربان کر دیا۔ اور اللہ نے اس کے انعام میں ان کو زندہ جاوید بنا دیا۔ان کے واسطے اور وسیلے سے بارگاہ الہی میں جو دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ان کے زیر سایہ جو مانگا جاتا ہے مانتا ہے۔ بے شمار مخلوق ہر سال حضرت کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر دلی مرادیں پاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس رات حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا وصال ہونے والا تھا۔ چند بزرگوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں یہ ارشاد فرماتے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے دوست معین الدین حسن سنجری آنے والے ہیں۔ان کے استقبال کے لئے ہم آتے ہیں۔ اللہ اکبر کیا شان اور بزرگی ہے کہ افضل جملہ موجودات خلاصہ کل کائنات خاتم النبیین محبوب رب العلمین ﷺ حضرت کے بارے ایسا فرماتے ہیں۔سچ کہا ہے حضرت شاہ نیازیؒ نے

خواجہ خواجگان معین الدین
اشرف اولیائے روئے زمین

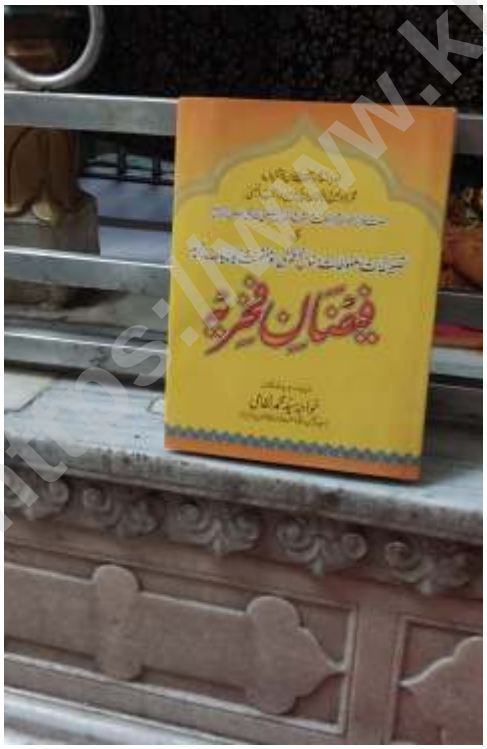
جب حضرت خواجہؒ نے رحلت فرمائی تو آپ کی پیشانی مبارک پر لکھا ہوا تھا۔

ہذا حبیب اللہ- مات فی حب اللہ

یہ اللہ کے دوست ہیں۔جنھوں نے اللہ کی محبت میں جان دی۔اللہ اپنے اس دوست کے صدقے میں سب کو ایمان اور نیکی کی توفیق دے۔خواجہ!ؒ کے دامن کا سایہ سب کو میسر رہے۔اور اس سایے میں مخلوق دین و دنیا کی نعمتیں حاصل کرتی رہے۔آمین۔

(ماخوذ، ماہنامہ منادی نئی دہلی، دسمبر 1961ء)

☆☆☆☆☆



حضرت مولانا فخر الدین محب النبیؒ کی بارگاہ میں پیش

© https://www.khwajahasanmiyan.life

حضرت خواجہ غریب نوازؒ

از: پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کا اجراء: اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے قبل کچھ چشتی بزرگ ہندوستان تشریف لا چکے تھے۔ (مثلاً خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتیؒ بحوالہ نفحات الانس ص ۲۰۷) لیکن حقیقت یہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان میں جاری کرنے کا شرف ان ہی کو حاصل ہوا۔ وہ پرتھوی راج کے شہر میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ امیر خورد کرمانیؒ نے ان کو "نائب رسول اللہ فی الہند" لکھا ہے۔ (سیر الاولیاء)

ابو الفضل کا بیان ہے:

"عزلت گزیں باجمیر شد، وفراواں چراغ برافروخت، و از دم کبرائی او گرو با گرو با مردم بہرہ برگرفتند" (ترجمہ: برگزیدہ کی خلوت اجمیر کے ساتھ تھی اور کثرت سے چراغ جلتے تھے اور ایک ایک کر کے لوگ اس کی عظمت کے دم سے مستفید ہوتے تھے۔ آئین اکبری: سرسید ایڈیشن ص ۲۷۰)

ان دنوں اجمیر راجپوت سامراج کا مضبوط مرکز اور ہندوؤں کا مذہبی گڑھ تھا۔ دور دور سے ہندو اپنی مذہبی رسوم پوری کرنے کے لئے وہاں جمع ہوتے تھے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں اجمیر کی مذہبی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک ایسے زبردست سیاسی اور مذہبی مرکز میں قیام کا فیصلہ نہ صرف خواجہ صاحبؒ کے عزائم کی ترجمانی کرتا ہے، بلکہ اُن کی غیر معمولی خود اعتمادی کا بھی آئینہ دار ہے۔ عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی محمد غوری کے حملوں کے بعد شروع ہوئی۔ یہ خیال غلط ہی نہیں بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔ محمد غوری کے حملہ سے قبل (یعنی ہندو راجاؤں کے عہد حکومت میں ہندوستان میں متعدد جگہ مسلمانوں کی نو آبادیات موجود تھیں جہاں اُن کے مدرسے، خانقاہیں اور دینی ادارے قائم تھے۔ جو لوگ دینی اداروں کی تشکیل و تعمیر کی حوصلہ شکن مشکلات کا تھوڑا سا بھی تجربہ رکھتے ہیں، وہی ان مصائب کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں جن سے ان بزرگوں کو دو چار ہونا پڑا ہوگا۔ حالات کی نامساعدت اور ماحول کی برہمی قدم قدم پر دامن پکڑ کر کھینچتی تھی، لیکن شوق کی بے پایانی پکار پکار کر کہتی تھی۔

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

اجمیر کے علاوہ جہاں خواجہ معین الدین چشتیؒ نے پرتھوی راج کے زمانہ میں اپنی خانقاہ بنائی تھی، بدایوں، بنارس، قنوج، ناگور، اور بہار کے بعض شہروں میں مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی۔ حضرت مولانا رضی الدین حسن صغانیؒ صاحب مشارق الانوار، جن کا نام ہندوستان کے علمائے حدیث میں سرفہرست آتا ہے، محمد غوری کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہونے سے تقریباً دس سال قبل بدایوں میں پیدا ہوئے تھے ہے۔ (فوائد الفواد ص ۱۰۳، نول کشور ایڈیشن ۱۳۰۲ھ) وہیں انھوں نے دینی تعلیم حاصل کی اور وہیں اپنا ابتدائی زمانہ گزارا۔ جب بدایوں کا یہ عظیم المرتبت فرزند بغداد پہنچا تو بڑے بڑے عالموں کی گردنیں اُس کے آگے جھک گئیں۔ ابن اثیر نے بنارس کے راجہ کی فوج کے متعلق لکھا ہے۔

© https://www.khwajahasannizami.life

ترجمہ: اس کے سپاہیوں میں ایک تعداد مسلم امیروں کی بھی تھی جن کے آباواجداد سلطان محمود بن سبکتگین کے زمانے سے ان حصوں میں رہتے چلے آئے تھے، شریعت اسلامیہ کی پابندی کرتے تھے اور اپنی نمازوں اور دیگر اعمال خیر میں راسخ تھے۔(ابن اثیر دوازدہم ص ۴۹)

قنوج میں مسلمانوں کی حکومت کے قائم ہونے سے قبل مسلمان موجود تھے۔ بہار کے متعلق بھی جدید تحقیقات یہ ہی ہے کہ محمد بن بختیار خلجی کی فتح (۱۱۹۹ء) سے قبل وہاں صوفیہ کرام اور بزرگان دین پہنچ چکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے قرون وسطیٰ کی تاریخ کا یہ پہلو اب تک تشنۂ تفسیر وتعبیر ہے۔ ضرورت ہے کہ محمد غوری سے قبل ہندستان میں مسلمانوں کی نو آبادیوں، اُن کی تاریخی حیثیت، اور عام سماجی نقشے میں اُن کی ماہیت پر تفصیل سے تحقیقات کی جائے۔ بہرحال، اس وقت یہ عرض کرنا مقصود تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ہندستان تشریف لانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا رونما ہونا تھا۔ اس انقلاب کی صحیح نوعیت سمجھنے کے لئے ہندوستان کی سماجی حالت پر ایک طائرانہ نظر ڈالنی ضروری ہے۔

گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی سماجی حالت حد درجہ تباہ تھی۔ ہر شخص نہ صرف "اسیر امتیاز ماوتو" تھا بلکہ ایک دوسرے سے برسرپیکار۔ اتحاد فکر وعمل کا کہیں دور دور نام نہ تھا۔ چھوت چھات نے مدنی زندگی کے سارے سرچشمے مسموم کر دیئے تھے۔ زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے لوگوں کے لئے مخصوص تھیں۔ غریب عوام جن مصائب میں مبتلا تھے اُن کی دردناک تصویر ابو الریحان البیرونی نے کتاب الہند میں پیش کی ہے۔ زندگی اُن کے لئے بوجھ تھی۔ اللہ نے انھیں آدمی بنایا تھا لیکن اس کے بندوں نے انھیں جانوروں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ البیرونی لکھتا ہے" ہندووں میں بکثرت ذاتیں ہیں۔ ہم مسلمانوں کا مسلک عام مساوات نیز اِنَّ اکرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اتقَاکُمْ کے مطابق ان سے بالکل جداگانہ ہے اور یہی وہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیاں حائل ہے۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا نظریہ توحید عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف ایک تخیلی چیز نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا۔ ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں وہ مظلوم انسان جن کی زبوں حالی پکار رہی تھی۔۔ جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید

اس اعلان کو سن کر دوبارہ زندگی کا کیف محسوس کرنے لگے۔ صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے: وکرامت دیگر آنکہ مملکت ہندوستان تاحد برآمدن آفتاب ہمہ دیار کفر وکافری وبت پرستی بود و متمردان ہند ہریکے دعوی اناربکم الاعلی می کردند وخدائے راجل و علی شریک می گفتند وسنگ وکلوخ و دار دورخت وستور گاوسرگین ایشان راسجدہ می کردند وبہ ظلمت کفر نفل دل ایشان مظلم ومحکم بود. موصول قدم مبارک آن آفتاب اہلِ یقین کہ تحقیقت معین الدین بود ظلمت این دیار بنور اسلام روشن ومنور گشت۔

ترجمہ: دوسرے آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے تشریف لانے سے پہلے مملکت ہندوستان میں

جہاں تک کہ آفتاب نکلتا ہے، اس کے تمام شہر کفر و کافری، بت اور بت پرستی میں مبتلا تھے۔ ہندوستان کے سرکشوں میں سے ہر ایک انا ربکم الاعلی (میں تمھارا بڑا رب ہوں) کا دعوی کرتا تھا اور اپنے آپ کو خدائے جل وعلی کے شریک ٹھہراتا تھا۔ یہ سب پتھروں، ڈھیلوں، درخت، چوپایوں، گائے، بیلوں اور اُن کے گوبر کو سجدہ کرتے تھے اور کفر کے اندھیروں سے اُن کے دل کے قفل اور بھی مستحکم ہو گئے تھے۔ اس آفتاب یقین کے پہنچنے کی وجہ سے کہ جو حقیقت میں معین الدین تھے، اس ملک کی ظلمت نور اسلام سے روشن اور منور ہوئی۔

خواجہ اجمیریؒ کی زندگی بہت سادہ لیکن دل کش تھی۔ ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دوتہی میں لیٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا۔ پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی افطار میں میسر نہ آتی ہے (سیر الاولیاء) لیکن نظر کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے معصیت کے سوت اس کی زندگی میں خشک ہو جاتے۔ رسالہ احوال پیران چشت میں لکھا ہے: "نظر شیخ معین الدین بر بر فاسقے کہ افتادی در زمان تائب شدی باز گرد معصیت نگشتے"

ترجمہ: شیخ معین الدین چشتیؒ کی نظر جس فاسق پر پڑ جاتی وہ تائب ہو جاتا اور پھر کبھی گناہ کے پاس تک نہ جاتا۔

ہمارے پاس شیخ اجمیریؒ کے مستند حالات مرتب کرنے کے لئے مواد کی بہت کمی ہے۔ بعد کے تذکرے تاریخی اعتبار سے ناقص ہیں۔ اس لئے اجمیر میں اُن کے اثرات کا صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ سیر الاولیاء کے بیان سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ پرتھوی راج کا ایک مقرب درباری، اُن کے حلقہ مریدین میں شامل تھا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔

محمد غوری اور قطب الدین ایبک کی فتوحات کے بعد، اجمیر کی سیاسی حیثیت اور اہمیت میں کمی آ گئی۔ سلطنت کا مرکز پہلے لاہور اور پھر دہلی کو منتقل ہو گیا۔ خواجہ صاحبؒ اس سیاسی تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر اجمیری میں مقیم رہے اور جو شمع باد مخالف کے تند و تیز جھونکوں کے درمیان روشن کی تھی اس کو جلائے رہے۔ انھوں نے صرف ایک عزیز مرید اور خلیفہ کو دہلی میں رہ کر سلسلہ کی نشر و اشاعت پر متعین کر دیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے شمالی ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کو پھیلانے کی کوشش کی اور مدت العمر اپنے پیر و مرشد کے اصولوں پر سختی سے عامل رہے۔ خواجہ اجمیریؒ کے خلفاء میں دو بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ حمید الدین صوفی سوالی ناگوریؒ۔ موخر الذکر نے ناگواری میں قیام کر لیا تھا اور وہاں ایک بیگہ زمین کی کاشت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ ایک چادر کمر سے بندھی رہتی۔ دوسری جسم پر ڈال لیتے۔ بیوی کا یہ حال تھا کہ سر پر دوپٹہ تک نہ تھا۔ پیراہن کا دامن سر پر ڈال لیا کرتی تھیں۔ لیکن اُن کی اس غریبی میں استغنا کی ایک عجیب شان تھی۔ دنیاوی جاہ وحشم کا ذکر کبھی اُن کی مجلس میں کسی نے نہیں سنا۔ ایک مرتبہ والی ناگور نے شاہ وقت کی جانب سے کچھ زمین اور نقد روپیہ پیش کیا اور قبول کرنے کی درخواست کی۔ فرمایا

مرا طریق امارت نہیں محبت ہے

ہمارے خواجگانؒ میں سے کسی نے ایسی چیز قبول نہیں کی۔ ایک بیگہ زمین جو میرے پاس ہے میرے لئے کافی ہے۔

(ماخوذ: تاریخ مشائخ چشت)

خانوادہ چشتیہ، ابتداء نشو ونما اور ہندوستان میں آمد

از: سید خورشید مصطفی رضوی

کائنات کے معمے کو حل کرنے کی جو مسلسل کوشش انسان نے کی اس کے نتائج نے مختلف ملکوں اور زمانوں میں کئی الگ الگ صورتیں اختیار کیں چنانچہ دنیا کے مختلف مذہب اس کوشش اور تلاش و جستجو کے نتیجے میں سامنے آئے۔ اہل مذہب کے علاوہ فلسفیوں کا ایک گروہ بھی ہے جو کائنات کے معمے کو عقل (Reason) سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مذہب اور فلسفے کے علاوہ اسی سلسلے کا ایک اور انداز فکر تصوف (Mysticism) بھی ہے۔ یہ تمام ملکوں میں پایا جاتا ہے اور اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عارف یا صوفی اپنے ذاتی وجدان سے حقائق کا علم حاصل کرتا ہے اور اس کے انداز فکر پر روحانیت (Spiritualisim) کا غلبہ رہتا ہے۔ تصوف دراصل ایک روحانی انداز فکر ہے جس میں مذہب کے روحانی اور اخلاقی پہلو پر زور دیا جاتا ہے۔

تصوف اسلام میں:

اس تحریک یعنی Myticism سے اسلام بھی خالی نہیں اور یہاں اس کا اصطلاحی نام تصوف ہے جس کے ارتقا اور نشو ونما کی ایک طویل داستان ہے جو یہاں نہ مناسب ہے اور نہ اس کی گنجائش۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں تصوف کو نمایاں اور اہم مقام ہمیشہ حاصل رہا ہے اور اسلامی تہذیب وتمدن پر اس کے گہرے اثرات ہیں۔

اسلام میں شریعت کے ساتھ طریقت یعنی تصوف کو ممتاز مقام دیا گیا ہے جس کا مختصر امفہوم یہ ہے کہ پیر کامل کی صحبت اور توجہ سے قلب میں صفائی اور نور پیدا ہو کر فہم و ادراک کا ایسا راستہ کھل جاتا ہے جو انسانی حواس وعقل سے بلند و بالا ہے اور احکام شریعت کے علاوہ اخلاقیات کے اصول (مثلاً صبر و توکل، قناعت وسخاوت وغیرہ) ان سے مل کر ایک خاص رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ یقین، حق الیقین بلکہ عین الیقین سے بدل جاتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت کھلنے لگتی ہے۔ اس طرح بندے کا تعلق ہر چیز سے الگ ہو کر ذات واحد سے قائم ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ نے یہ تشریح اس طرح بیان فرمائی ہے کہ طریقت وحقیقت جس سے گروہ صوفیہ ممتاز ہے، یہ دونوں جز و ثالث کی تکمیل میں جس کو اخلاص کہتے ہیں شریعت کی خادم ہے، پس ان دونوں طریقت و حقیقت کی تحصیل کا مقصد سوائے شریعت کے دوسرا نہیں ہے۔

تاریخ اسلام میں تصوف کی ابتداء:

خلفائے راشدین نے نظام خلافت اور اپنے طریقہ کار میں پوری طرح راہ نبوی ﷺ کا اتباع کیا اور یہ سلسلہ حضرت علی علیہ السلام پر ختم ہو گیا کیونکہ اس کے بعد جو نظام قائم ہوا وہ اسلامی نظام شریعت سے بالکل مختلف تھا اور خلافت کی بجائے ملوکیت پر قائم

© https://www.nawaiasamnizami.life

تھا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی امروہویؒ اپنی کتاب" تاریخ مشائخ چشت" میں لکھتے ہیں: عوام سے وہ پورا رطب اور تعلق جو خلفائے راشدین کے عہد کی خصوصیت تھی ختم ہوگیا۔۔۔

اسلامی زندگی کی اجتماعیت کے ختم ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی وحدت عمل جاتی رہی۔ مسلمانوں کا دین دار طبقہ خیال کرنے لگا کہ حکومت کی ملازمت اب دین کی خدمت نہیں رہی بلکہ دنیا داری کے مترادف ہوگئی۔ اس بنا پر بہت سے بزرگوں نے حکومت وقت سے قطع تعلق کرلیا۔۔۔ پھر بنی امیہ کے زمانے میں بعض ایسے ناخوشگوار واقعات رونما ہوئے جنھوں نے ملت کے جذبات کو سخت نقصان پہنچایا۔۔ (تاریخ مشائخ چشت)

ان حالات میں اکثر محترم بزرگوں کا دل ایسا گھبرایا کہ سوائے حکومت وقت سے قطع تعلق کر لینے کے کوئی دوسری راہ نظر نہ آئی۔ (سرور الصدر۔ ملفوظات شیخ حمید الدین ناگوریؒ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ص ۷۰) اس طبقہ نے بنی امیہ کے نظام ملوکیت کی اصلاح یا خاتمے کی کوشش کرنے کی بجائے جو خاموشی اختیار کی اس پر اعتراض و استفسار کی گنجائش ہے لیکن یہ اقدام بھی اجتماعی مفاد ہی کی خاطر تھا۔ ان حالات میں صوفیہ کا پہلا طبقہ وجود میں آیا۔

بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی: " کوفہ جہاں اموی گورنروں نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے تھے تصوف کے سب سے پہلے مرکز بنے اور یہیں سے یہ تحریک اسلامی دنیا کے اور حصوں میں پھیلی۔ صوفیہ کے اس پہلے طبقہ کا زمانہ 661ء سے 850ء تک مقرر کیا گیا ہے۔" (تاریخ مشائخ چشت، ص ۷۳)

آگے بڑھنے سے قبل مناسبت ہے کہ پہلے طبقے کے ان بزرگان صوفیہ نے تصوف اور صوفی (بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ صوفی ایک طرح کے کپڑے کے نام صوف سے نکلا ہے کیونکہ یہ حضرات موٹے کپڑے پہنتے تھے اس لیے صوفی کہلائے۔ بعض کہتے ہیں صوفی سے مراد قلب کو پاک وصاف رکھنے اور اس سے رشتہ جوڑ لینے والے سے ہے غرض اس لفظ کی مختلف! تشریحیں کی گئی ہیں۔) سے کی جو تشریح کی ہے وہ مختصراً ان میں سے چند کے اقوال سے سمجھ لی جائے۔

حضرت حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: "معرفت یہ ہے کہ بندہ اپنے اندر تھوڑی سی بھی خصوصیت نہ پائے" یعنی پورے طور پر راضی بہ رضا ہو۔

حضرت سفیان ثوریؒ (متوفی ۱۶۱ھ) کا فرمانا ہے کہ: عارف خدا سے مشغول ہو کر اس کا قرب حاصل کرتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ اللہ کو سب سے زیادہ دوست رکھیں۔

ابراہیم بن ادہمؒ (متوفی ۱۶۱ھ): "عارف کی نشانی یہ ہے کہ اس کا دل سوچ و چار میں ڈوبا رہے۔ اس کی گفتگو خدائے تعالیٰ کا ذکر ہو اور اس کا بیشتر عمل خدا کی عبادت ہو اور اس کی اکثر نظر اس کے لطائف قدرت اور عجائب صنعت پر رہے۔"

خواجہ ابوعلی شفیق بلخیؒ (متوفی ۱۷۴ھ): "سات سو عالموں سے پوچھا گیا کہ خردمند کون ہے، تونگر کون ہے، درویش کون ہے۔ زیرک کون ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا" جو دنیا کو دوست نہ رکھے" یہ بھی فرمایا کہ" اصل طاعت خوف، رجا اور محبت

ہے۔" خواجہ شفیق بلخیؒ نے توکل علی اللہ پر خاص طور پر زور دیا ہے اور یہ عقیدہ ان کے تصوف کی خصوصیت ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ (وفات ۱۸۵ھ) کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تصوف سراسر جب اللہ پر مشتمل تھا۔کسی نے اُن سے پوچھا کیا تمھیں خدا سے محبت ہے فرمایا" ہاں" پھر پوچھا کیا تمھیں شیطان سے نفرت ہے۔جواب دیا" میرے دل میں خدا کی محبت نے شیطان کی نفرت کے لیے جگہ نہیں چھوڑی۔" ڈاکٹر نکلسن کی رائے ہے کہ مسلمان صوفیہ میں تھیاسونی (Theosophy) یعنی حب اللہ کا دور حضرت رابعہ بصریؒ ہی کی ذات اور زمانے سے شروع ہوتا ہے۔

حضرت معروف کرخیؒ (وفات ۲۰۰ھ) کا قول ہے کہ تصوف سے مراد حقائق کا حاصل کرنا اور احوال خلائق کا چھوڑنا ہے۔حضرت ابوسلیمان عبدالرحمن دارانیؒ (۳۱۵ھ) نے سب سے پہلے مسلمان صوفیہ میں معرفت یا عرفان (Gnosis) کے نظریہ کو رواج دیا۔ان کا قول ہے کہ" دنیا کی حرص وہوا کے دام سے وہی لوگ خلاصی پاسکتے ہیں جن کے دل میں عرفان کی روشنی ہے۔یہ روشنی ان کو آخرت کے خیال میں مشغول رکھتی ہے۔"

حضرت بشرین حارث حانیؒ (وفات ۲۲۷ھ) کا ارشاد ہے کہ صوفی وہ ہے جو اپنے دل کو خدا کے ساتھ صاف رکھے۔"

حضرت شیخ سری سقطیؒ (وفات ۲۵۷ھ) بغداد کے ایک معروف صوفی تھے۔نہایت عالم وفاضل اور معارف وحقائق میں بے مثل تھے، ساتھ ہی بغداد میں آپ دکانداری بھی کرتے تھے۔ایک دن ایک شخص نے آکر کہا کہ فلاں بزرگ نے جو کوہ نسبان میں گوشہ گیر ہیں آپ کو سلام کہا ہے۔آپ نے فرمایا اس پیر نے پہاڑ کی سکوت اختیار کی تو یہ کوئی بڑا کام نہیں کیا۔مرد خدا کو چاہیے کہ میدان میں آئے اور بازار میں رہ کر مشغول بہ حق ہو۔

حضرت بایزید بسطامیؒ (وفات ۲۶۰ھ) نے صوفیہ میں سب سے پہلے فنا وبقا کے مسئلے کو رواج دیا۔چنانچہ ان کا قول ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو حق (یعنی خدا) میں فنا کرتا ہے وہ زندگی جاوید پاتا ہے لوگوں نے پوچھا کہ راہ خدا کیا ہے؟ فرمایا" راہ سے گم ہو کر فنافی اللہ ہونا۔"

حضرت ابوحفص حداد نیشا پوریؒ (وفات ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں کہ" تصوف سارے کا سارا ادب ہے، ہر ایک وقت کے لیے ایک ادب ہوتا ہے۔اسی طرح ہر ایک مقام اور حال کے لیے بھی ایک ادب ہے۔جس شخص نے آداب کو ملحوظ رکھا وہ مردان خدا کے درجے کو پہنچا۔"

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ (وفات ۲۸۳ھ) نے فرمایا" ہمارے اصول چھ ہیں یعنی:" رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ حسنہ کی پیروی۔حلال کھانا،لوگوں کی ایذا رسانی کرنے اور ستانے سے بچنا، اگر چہ وہ ہمیں نقصان وتکلیف پہنچائیں۔۔حرام سے پرہیز کرنا اور معاہدوں کا بلا توقف پورا کرنا ہے۔" (معارف ستمبر ۱۹۷۰ء)

اگر صوفیاء نہ ہوتے: صوفیائے کرام اور تصوف کے بارے میں یہ ایک الگ بحث ہے کہ اس سے اسلام کو نقصان پہنچا، یا فوائد دونوں نظریات کی تائید میں دلیلوں اور شہادتوں کا

انبار ہے اور پوری ایک کتاب اس موضوع پر لکھی جاسکتی ہے، اس موضوع کو چھیڑنے کی نہ یہاں گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ پروفیسر خلیق نظامی نے مختصراً جو نکتے بیان کیے ہیں، صرف وہ سن لیجیے:

1۔ اگر یہ بزرگ باطنی اصلاح و تربیت عبادات وغیرہ پر زور دیتے تو اسلام محض ایک سیاسی پروگرام بن کر رہ جاتا اور مسلمانوں کی تاریخ ملک گیری اور جہاں بانی کی داستان ہوتی۔

2۔ اسلام کی تعلیم اور اثرات خلفاء یا امراء کے ذریعے نہیں. بلکہ انہی بزرگوں کے ذریعے پھیلے۔ خلفائے راشدین کے بعد اسلام کے دینی نظام کو زندہ رکھنے اور پھیلانے کا کام کیا۔ (جو بنی امیہ کے زمانہ داروگیر میں سب سے زیادہ اہم تھا)

3۔ خلفاء اور امراء کو بے راہ روی کا احساس دلایا اور جرات سے اُنھیں ٹوکا۔

4۔ اسلام کا بحیثیت مذہبی تحریک کے مطالعہ کیا جائے تو خلفائے راشدین کے بعد انہی بزرگوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جو اس طرح اسلام کی دینی تاریخ کا لازمی حصہ بن گئے۔

5۔ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کا سب سے اہم واقعہ خلافت کا ملوکیت میں تبدیل ہونا تھا۔ طبقہ اول کے صوفیاء اپنے فکری و عملی نشو ونما کے اعتبار سے اس تبدیلی کے خلاف ردعمل کو ظاہر کرتے ہیں۔

دررسول ﷺ تک رسائی: صوفیائے کرام کے تمام سلسلے حضرت علیؓ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ تک پہنچے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے فرمان میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

"أنا مدینۃ العلم وعلی بابہا"

(میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ)

ظفر فاروقی اپنی کتاب خلافت وحکومت (ص ۱۶۸) میں اس فرمان رسول ﷺ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وہ کون سا علم ہے جس کے آپ شہر ہیں۔ وہ علم، علم الوہی ہے، علم ربانی ہے۔ وہ علم، علم خداشناسی ہے۔ یہ علم وہ ہے جس سے کونین کو جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ یہ علم وہ ہے۔ جس کا معلم خود اللہ باری تعالی ہے۔ محمد الرسول اللہ ﷺ اس علم کے شہر ہیں، اس علم کے گھر ہیں۔۔۔ اب آیئے باب اور علیؓ کو بھی سمجھ لیجیے۔ گھر اور دروازہ بظاہر دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن اس طرح ایک دوسرے سے ملے اور جڑے ہیں کہ ان میں فصل ناممکن، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مقصد رسول ﷺ یہ بتانا تھا کہ محمد ﷺ اور علیؓ بظاہر دو الگ الگ شخصیتیں نظر آتی ہیں لیکن حقیقتاً وہ ایک دوسرے لیے دو جزو لا ینفک ہیں جن میں کوئی فصل نہیں ہے۔۔۔ معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کو پانے کے لیے علیؓ کا حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ علم ربانی والوہی کے حصول کے لیے لازم ہے وساطت علیؓ حاصل کی جائے۔۔۔

رسول ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں

دینی۔۔۔۔۔ دنیاوی

روحانی۔۔۔۔۔۔۔ مادّی

ایک طرف آپ داعی حق تھے، رسول خدا تھے۔ رموز علم الوہی کا سرچشمہ تھے تو دوسری طرف آپ فاتح تھے، اپنی فوج کے کمانڈر انچیف تھے اور مفتوحہ کے علاقے کے فاتح اعلیٰ اور سربراہ

مملکت آپ کی دونوں حیثیتوں کی نیابت اور قائم مقامی آپ کے بعد دوسروں کو حاصل ہوئی۔ جہاں تک آپ کی دینی اور روحانی نیابت و خلافت کا سوال ہے کوئی شبہ نہیں کہ وہ روز اول سے حضرت علیؓ کو حاصل ہوئی، اور بلافصل اس لیے کہ اس میں کوئی فصل ہو ہی نہ سکا اسی نقطہ نظر سے صاحبان علم نے خلافت کی دو قسمیں متعین کی ہیں۔

خلافت عامہ۔۔۔خلافت خاصہ

خلافت عامہ کا انعقاد خلفاء ثلاثہ پر ہوتا رہا تا آنکہ ایک وقت وہ بھی آیا کہ حضرت علیؓ پر دونوں خلافتیں یک جا ہوگئیں۔

صوفیائے کرام کے سلسلے: صوفیاء کے مختلف سلسلے، جو خانوادے بھی کہلاتے ہیں؟ رسول اکرم ﷺ تک پہنچتے ہیں اور ان کا آغاز صحابہ کرامؓ اور آنحضرت ﷺ کے صحبت یافتگان سے ہوتا ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے مستفیض ہے، اس طرح حضرت عمر فاروقؓ سے بھی علم احسان یعنی تصوف کی اشاعت کا سلسلہ چلا ہے۔ لیکن زیادہ تر خانوادے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے متصل ہوتے ہیں جو آپ کے شاگرد اور فیض یافتہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ (وفات ۱۱۰ھ) کے ذریعے آپ تک پہنچتے ہیں۔ حضرت خواجہ بصریؒ سات گروہوں اور چودہ خانوادوں کے پیر ہیں۔ جناب امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے ستر صاحبوں کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور انھوں نے چار پیر مقرر کیے یعنی حضرت امام حسنؓ۔ حضرت امام حسینؓ۔ حضرت خواجہ کمیل بن زیادؒ اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ۔ بعض مشائخ کے نزدیک وہ چار حضرات خواجہ حسن بصریؒ، حضرت خواجہ کمیل بن زیادؒ، حضرت خواجہ اویس قرنیؓ، حضرت خواجہ حسن سری سقطیؒ ہیں اور بعض کے نزدیک چار حضرات خواجہ حسن بصریؒ، حضرت خواجہ کمیل زیادؒ، عبد اللہ کلیؒ اور عبداللہ ہجریؒ ہیں۔

یہ سات سلسلے جو حضرت علیؓ سے جاری ہوئے اس طرح

1۔ کمیلہ: حضرت خواجہ کمیل بن زیادؒ سے جاری ہوا۔
2۔ بصریہ: حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے
3۔ اویسیہ: حضرت خواجہ اویس قرنیؒ سے
4۔ قلندریہ: حضرت مدایونی قلندرؒ سے
5۔ سلمانیہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے
6۔ نقشبندیہ: حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ
7۔ سریہ: حضرت خواجہ حسن سری سقطیؒ سے۔

چودہ خانوادوں کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے کئی خلیفہ ہوئے ان میں حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ اور حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ سے چودہ خانوادے نکلے۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ سے پانچ خانوادے جاری ہوئے، وہ عموماً چشت کہلاتے ہیں، یہ ہیں۔ زیدیہ، عیاضیہ، ادہمیہ، ہبیریہ چشتیہ

اور خواجہ حبیب سے جو جاری ہوئے، قادریہ کہلاتے ہیں، یہ ہیں: حبیبیہ، طیفوریہ، کرطیہ، سقطیہ، جنیدیہ، گاذردینہ، طوسیہ، فردوسیہ، سہروردیہ

چشتیہ خانوادے: حضرت خواجہ عبد الواحد بن زیدؒ (وفات ۱۷۸ھ) سے جاری ہوئے۔ موصوف کو استفادہ حضرت شیخ ابی غیاث منصور ابن عمر السلمی الکوفیؒ سے اور حضرت امام حسنؓ سے بھی

تھا۔ دوسرا خانوادہ عیاضیہ حضرت فضیل بن عیاضؒ سے جاری ہوا جو خلیفہ تھے خواجہ عبد الواحد بن زیدؒ کے۔ تیسرا ادہمیہ خواجہ سلطان ابراہیم بن ادہم بلخیؒ سے جاری ہوا جو خواجہ فضیل بن عیاضؒ کے خلیفہ تھے۔ ۲۶ جمادی الاول ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ چوتھا ہبیریہ خواجہ ہبیرۃ البصریؒ سے ہوا جو خواجہ حذیفتہ المرعشیؒ کے خلیفہ تھے۔ ۷/شوال ۲۵۲ھ کو وفات پائی۔ پانچواں چشتیہ حضرت ابو اسحاق شامی چشتیؒ سے ہوا جو حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ سے اور وہ خلیفہ خواجہ ہبیرۃ البصریؒ کے تھے۔ ۱۴/ ربیع الثانی ۳۲۹ھ کو وفات ہوئی، مزار قصبہ چشت علاقہ ہرات میں ہے۔

چشتیہ خانوادہ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ (وفات ۳۲۹، ۹۴۰ء سے جاری ہوا جو اپنے پیر خواجہ ممشاد علو دینوری (وفات ۳۹۸ھ، ۹۱۰ء) کے حسب حکم قصبہ چشت میں قیام پذیر ہوئے۔ چھ واسطوں سے یہ سلسلہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ تک اس طرح پہنچتا ہے: حضرت خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ عن خواجہ ممشاد دینوریؒ عن خواجہ ہبیرۃ البصری عن خواجہ حذیفۃ المرعشیؒ عن خواجہ ابراہیم بن اَدہمؒ عن خواجہ فضیل بن عیاضؒ عن خواجہ عبد الواحد زیدؒ عن خواجہ حسن بصریؒ

صوفیاء ہندوستان میں: جس زمانے میں پنجاب کا غزنوی سلطنت سے الحاق ہوا، لاہور میں شیخ اسمٰعیل لاہوریؒ اور شیخ علی ہجویریؒ نے ناسازگار ماحول میں اپنے کردار و عمل سے اسلام کی تبلیغ شروع کی یعنی پانچویں صدی ہجری کا زمانہ ہندوستان میں صوفیاء کرام کی آمد اور تصوف کی ابتداء قرار دیا جانا چاہیے۔ کہا جاسکتا ہے کہ تصوف ہندوستان میں اسلام کے ساتھ ہی ساتھ آیا۔ یہاں تصوف کی جو قدیم تحریک رائج تھی وہ ویدانت کے اصول پر تھی۔ شیخ علی ہجویریؒ اسلام کے مبلغ بھی تھے اور بلند مرتبہ صوفی بزرگ بھی۔ کشف المحجوب فارسی میں آپ کی پہلی تصنیف اور تصوف پر پہلی جامع کتاب مانی جاتی ہے۔ جب تصوف ہندوستان آیا اس وقت تک اسلام میں دوسری صدی ہجری میں نہ صرف زہد کی صورت اختیار کر چکا تھا بلکہ تھیاسونی (Theosophy) کی منزل میں داخل ہوگیا تھا۔ جن سلسلوں کے ہندوستان میں مرکز قائم ہوئے اور اشاعت ہوئی اُن میں چشتیہ سلسلے کے علاوہ سہروردیہ، خواجگان، نقشبندیہ، شطاریہ قادریہ قابل ذکر ہیں۔

چشتیہ سلسلے کی ہندوستان میں آمد: ہندوستان میں سب سے پہلے چشتیہ سلسلے کی داغ بیل رکھی گئی۔ کتب تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ ابو محمد بن آل احمد چشتیؒ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے (۳۹۲ھ، ۴۲۱ھ) لیکن یہاں چشتیہ سلسلے کی اشاعت اور ترویج حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی بدولت ہوئی جو محرم ۵۶۱ھ میں اجمیر میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ کو مدینہ میں بارگاہ رسالت ﷺ سے ہندوستان جانے کی بشارت ملی تھی چنانچہ آپ بغداد، ہمدان، تبریز، اصفہان وغیرہ ہوتے ہوئے لاہور پہنچے جہاں حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر چلہ کشی کی۔ لاہور سے ملتان آئے جہاں آپ نے لمبے عرصے تک قیام کر کے ہندوستانی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی تشریف لائے اور یہاں کچھ دن قیام کے بعد اجمیر پہنچے۔ اس وقت راجہ تھورا کی راجدھانی تھی۔ راجہ تھورا نے آپ کے قیام میں

بڑی رکاوٹیں ڈالیں حتی کہ جوگیوں اور جادوگروں کو مقرر کیا کہ وہ اپنے جادو سے مغلوب کریں۔ چنانچہ جے پال نامی جوگی سے آپ کے سخت معرکے رہے آخر آپ کی روحانی قوتوں سے متاثر ہو کر جے پال آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت کی۔

آپ کے اثرات اور شہرت دور دور پہنچی اور راجہ کے ملازمین بھی مسلمان ہونے لگے راجہ نے آپ کی بڑھتی ہوئی شہرت اور اثر دیکھ کر آپ کو اجمیر سے نکلنے کا حکم دیا لیکن اللہ کو منظور کچھ اور ہی تھا۔ ان ہی دنوں شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا اور راجہ شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ اب ہندوستان میں آپ کے فیض و برکت کی کرنیں پھیلنے لگیں۔ مشہور ہے کہ جس وقت آپ دہلی سے اجمیر جا رہے تھے تو راہ میں سات سو آدمی آپ کے ذریعے ایمان لائے۔ یہ زمانہ ہندوستان میں ہر لحاظ سے بڑی تاریکی کا دور تھا۔ بت پرستی کا زور تھا اور اخلاقی قدریں بالکل گر چکی تھیں۔ حضرت خواجہؒ موصوف نے اسلام کا نظریہ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اپنے کردار اور عمل سے سیدھا راستہ دکھایا تو لوگ جوق در جوق ایمان لانے لگے اور جو ایمان نہ لائے ان کی بھی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ وہ کثرت سے نذریں اور تحفے آپ کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ (غیر مسلموں میں آپ کی ذات بابرکات سے یہ عقیدت آج تک بھی موجود ہے۔ اور آپ کے مزار مبارک پر دیکھی جا سکتی ہے۔) لیکن آپ کی حالت یہ تھی کہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دوہتی اوڑھے ہوئے بیٹھے رہتے تھے، افطار میں پانچ مثقال سے زیادہ جو کی روٹی کبھی میسر نہ آئی لیکن اللہ نے آپ کی نگاہ میں یہ تاثیر رکھی تھی کہ جس پر نظر پڑ جاتی اس کی زندگی ہی بدل جاتی تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ (وفات ۶/ رجب ۶۳۳ھ) کے بے شمار خلفاء ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، شیخ حمید الدین ناگوریؒ زیادہ اہم اور معروف ہیں۔ آپ کے دست حق پرست پر ہزارہا بندگان خدا ایمان لائے اور بقول مؤلف سیر الاولیاءؒ بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمت این دیار نور اسلام روشن و منور گشت۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا سلسلہ بیعت حضرت خواجہ اسحاق چشتیؒ تک یوں پہنچتا ہے۔ خواجہ معین الدینؒ عن خواجہ عثمان ہارونیؒ عن شاہ شریف زندنیؒ عن خواجہ مودود چشتیؒ عن خواجہ نصیر الدین ابو یوسفؒ عن خواجہ ابو محمد چشتیؒ عن خواجہ ابو احمدؒ عن خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ

آپ کے خلیفہ حضرت بختیار کاکیؒ نے دہلی کو اپنا مرکز ہدایت بنایا۔ آپ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں یہاں آئے آپ نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کیا۔ آپ کا دہلی میں قیام چشتیہ سلسلے کے لیے بہت مفید ہوا اور یہاں تصوف کے خیالات کی ترویج و اشاعت ہوگئی۔ آپ نے ۱۴/ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔ خلفاء بے شمار ہیں لیکن سلسلہ چشتیہ کی اشاعت و ترقی کے پیش نظر سب سے زیادہ اہم حضرت شیخ بدر الدین غزنویؒ اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے ہانسی، اجودھن اور پنجاب کے دیگر شہروں کو اپنا مرکز بنایا۔ ان کے اثرات شمالی ہند کے گوشے گوشے میں پہنچے۔ دور ان کی شہرت

عام ہوگئی اور اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ ہر وقت عقیدت مند ان کے گرد جمع رہتے تھے۔آدھی رات تک خانقاہ کا دروازہ کھلا رہتا اور لوگ حاضر ہوتے رہتے۔جوگی بھی ان کی خدمت میں آتے رہتے۔ اُن کی روحانی عظمت، کردار کی بلندی اور دردمندی خلق سے اس سلسلے کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔دائرہ وسیع ہوا اور ملک میں جابجا چشتیہ سلسلے کی خانقاہیں قائم ہوگئیں۔حضرت بابا صاحبؒ کے مریدین بھی بے شمار تھے۔خصوصی خلفاء یہ حضرات مشہور ہیں۔

1۔ حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ

2۔ حضرت شیخ بدرالدین اسحاقؒ

3۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ

4۔ حضرت شیخ علی احمد صابرؒ

آپ کے بعد آپ کے بیٹے شیخ بدرالدین سلیمانؒ جو آپ کے تیسرے بیٹے تھے سجادہ نشین ہوئے۔ان کے فرزند و سجادہ شیخ علاؤ الدینؒ اپنے تقدس اور اتقاء کی بنا پر مشہور تھے۔شیخ علاؤالدینؒ کے دو بیٹے شیخ معز الدینؒ اور علم الدینؒ ہوئے معزالدینؒ کے شیخ فضیل ہوئے۔حضرت بابا صاحبؒ کے خلفائے کے یہ سلسلے حضرت بدر چشتیؒ تک اس طرح پہنچے ہیں۔

مختصر یہ کہ مجموعی طور پر ان بزرگان چشتیہ نے اس سرزمین کے ہر گوشے کو اپنی روحانی عظمت کی ضیا پاشیوں سے منور کیا۔ایک طرح بنگال میں بھگتی تحریک کو متاثر کیا۔اصلاحی تحریکوں کے باعث بنے۔دوسری طرف جنوبی ہند میں حق پرستی وحق آگاہی کی شمعیں روشن کیں۔دینی اصلاح وتربیت کا فریضہ انجام دیا اور شاہ و گدا پر یکساں اپنی روحانی طاقت سے اثر ڈالا۔گجرات اور مالوہ کو تبلیغ حق و اشاعت توحید کی جدو جہد سے جگمگایا اور ملک کے دیگر حصوں پر پھیل کر وہاں خاموش سماجی انقلاب کے بانی ہوئے۔

(ماخوذ: ماہنامہ منادی نئی دہلی جلد 82،شمارہ 10)

☆☆☆☆☆





© https://www.khwajahasannizami.live

مشائخ چشتؒ کی اخلاقی تعلیمات

از: ڈاکٹر سید مقبول احمد، شعبہ فارسی دہلی یونیورسٹی

آج کی اس مادی دنیا میں یہ سوال اکثر ہوتا ہے کہ سائنس کے دور میں مذہب کی کیا اہمیت ہے۔ان ناقدین کی نظر میں مذہب ایک جامد افکار کا مجموعہ ہے جو انسان کو آگے بڑھانے کے بجائے رجعت پسندانہ طرز فکر کا پابند بنا کر ایک محدود دائرے میں مقید کیے رہتا ہے۔صوفیہ کے باب میں ایسے لوگ زیادہ سخت گیر ہیں۔ان کا خیال ہے کہ اس طبقہ نے عزلت اور ترک دنیا اختیار کر کے اپنی ذات کو زمانہ کی رفتار سے الگ کر لیا اور اپنے مریدوں کو بھی یہی تعلیم دیتے رہے کہ وہ دنیا کے جھمیلوں میں نہ پڑیں اور اپنی زندگی کو ریاضت و مجاہد میں تپا کر فقر و فاقہ کے ساتھ یاد الٰہی میں گزاریں۔اس لیے کہ ان کے نزدیک۔۔۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

مجھے ان سے اتفاق نہیں اور نہ یہاں سائنس اور مذہب کا مناظرہ مقصود ہے۔ اس بزم میں حضور خواجہ غریب نوازؒ کی تعلیمات اور سلسلہ چشت کے اکابر صوفیہ کے جذبہ خدمت خلق کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائے گی جس نے ہندستان کے بسنے والوں میں بلا تفریق مذہب وملت، اخوت و برادری، محبت و یگانگی سچائی اور پاکیزگی، علم و انکسار، صبر و تحمل اور ایمان اور توکل کے اعلیٰ اور پاک جذبات پیدا کیے علامہ اقبال نے ایسے ہی صوفیہ کے لیے کہا ہے کہ

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

تاریخ اور صوفیہ کرام کی زندگی کے حالات سے یہ واضح ہے کہ صوفیہ سوسائٹی یعنی عوامی زندگی کے دھاروں سے الگ نہیں رہے بلکہ ان دھاروں کے بیچ میں رہ کر اپنی روحانیت سے عوامی زندگی کے دھاروں کو صحیح سمت کے طرف موڑتے رہے۔شہر کے ہنگاموں سے الگ کسی قریہ میں خانقاہ میں عبادت کرنا سماجی زندگی سے علیحدگی کی دلیل تو نہیں ہے۔بلکہ اس پرسکون ماحول میں وہ بہتر طور پر یکسوئی کے ساتھ ذات حق کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور طالبین حق کی تربیت اور رہنمائی کرتے تھے۔ ہاں انھوں نے شاہی دربار اور امرا کی مجلسوں سے اجتناب کیا جہاں دولت و اقتدار کے حصول کی کوشش اور عیش وعشرت کی بزم کے سوا کچھ نہ تھا۔ان کی خانقاہ مرکز تھی۔ان انسانوں کے اجتماع کی جو اہل جاہ وثروت کے محکوم اور مظلوم تھے اور جو ان خانقاہوں میں صوفیہ کی روحانیت اور محبت بھری سادی زندگی اور ان کے اخلاق کو دیکھ کر سکون پاتے اور ان کی رہنمائی میں اپنے اخلاق کو سدھارتے تھے۔صوفیہ کا مطمح نظر صرف ان کی اپنی ذات نہ تھی، ان کا مقصد صرف یہی نہ تھا کہ دنیا تج کردہ روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کر لیں۔وہ تصوف کو رسوم وعلوم نہیں بلکہ اخلاق سمجھتے تھے اور ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق اچھی باتیں بتاتے اور بری باتوں سے

روکتے تھے۔اسی لیے وہ معاشرے میں پیدا شدہ اخلاقی خرابیوں کی اصلاح بھی کرتے رہتے تھے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی، اخلاق کی تربیت، سچائی کی راہ پر چلنے میں رہنمائی۔دنیا میں رہ کر دنیا کی دل بستگی سے دور رہنے کی تلقین، یہی صوفیہ کرام کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔سالکان طریقت کا یہ مثبت اور اہم کردار ٹوٹے ہوئے دلوں کو سہارا دے کر ظلم و استبداد کے دور میں کنجشک فرومایہ کو شاہین سے لڑنے کا حوصلہ عطا کرتا رہا ہے۔

خواجہ غریب نوازؒ کا یہ دربار پر انوار جہاں آج ہم لوگ حاضر ہیں لطف و کرم کا مخزن اور فیض و برکت کا معدن ہے۔یہ وہ مطلع عرفان ہے جہاں سے حسن اخلاق کی وہ کرنیں پھوٹیں جو سارے ملک کو جگمگا رہی ہیں۔یہی وہ بارگاہ ہے جہاں سے فیض پا کر اہل دل نے سچائی، نیک خوئی، برادری، محبت، ایثار، تحمل اور مذہبی رواداری کی تعلیمات کو عام کیا چشتیہ سلسلہ اس برصغیر میں سب سے بڑا سلسلہ ہے اور لاکھوں کروڑوں انسان ان مشائخ چشت کی درگاہوں پر حاضر ہو کر فیضان حاصل کرتے ہیں، صوفیہ کی زندگی کا اہم پہلو ان کا حسن اخلاق ہے۔اس لیے میرا یہ مختصر مضمون ہندوستان کے پہلے چار مشائخ چشت یعنی سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدینؒ، قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، قطب الکاملین شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اور سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے اخلاقی تعلیمات پر مبنی ہے۔یہی وہ مردان خدا ہیں جن کے لیے کہا گیا ہے۔

مردان خدا خدا نہ باشند　　لیکن ز خدا جدا نباشند

تصوف کیا ہے اور صوفی کسے کہتے ہیں؟ اس ضمن میں بہت سے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے بعض اکابر صوفیہ نے تصوف کو حسن اخلاق سے تعبیر کیا ہے، حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں کئی صوفیوں کا قول تحریر فرمایا ہے۔

حضرت محمد بن علی بن الحسین بن علیؓ ابن ابی طالب گوید: تصوف نیک خوئی باشد ہر کہ او نیک خوئی تر او صوفی تر۔۔ یعنی تصوف ایک نیک خصلت ہے، جو زیادہ نیک خصلت ہے وہ اعلیٰ صوفی ہے۔

حضرت شیخ مرتعشؒ گوید: تصوف خلق نیکوست واللہ یعنی تصوف نیک خصلت ہے۔

حضرت شیخ ابو علی قزینیؒ گوید: تصوف اخلاق رضی است یعنی تصوف ایک پسندیدہ خصلت ہے۔

درحقیقت تصوف اخلاق حسنہ کا دوسرا نام ہے۔حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی سید عبد القادر جیلانیؒ اپنی تصنیف غنیتہ الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں: حسن خلق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ایک قول دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بارے ارشاد فرمایا یعنی" تیرا اخلاق اچھا ہے۔"

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "مخلوق میں بہتر وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو کیونکہ انسان کے لیے حسن خلق بہترین صفت ہے"

حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں بد ترین کون ہے؟ فرمایا جس کا اخلاق بُرا ہو۔

اخلاق حسنہ کیا ہیں؟ کشف المحجوب میں مذکور ہے (خلق

نیکو) برسہ گونہ باشد یکی باحق بگزاردن او امروی بی ریاو دیگر باخلق بحفظ حرمت مہتران وشفقت برکہتراں وانصاف ہمچنان و از جملہ عوض ناطلبیدن وسر دیگر باخود متابعت ناکردن ہواوشیطان و ہر کہ اندریں یہ معنی خود رادرست کنداواز جملہ نیکخو یان باشد

ترجمہ: یہ خصائل حمیدہ تین قسم کیے ہیں۔ایک یہ کہ خدا کے احکام کو ادا کرنے میں کسی قسم کا ریا نہ ہو دوسرے یہ کہ خلق خدا کے ساتھ معاملہ اس طرح ہو کہ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کرے اور انصاف کرے اور اس میں کسی طرح کا معاوضہ طلب نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ اپنے کو شیطانی خواہشات سے پاک رکھے۔جو ان تین صفات سے اپنے کو متصف کرلے وہ نیک خصلت انسانوں میں شمار کیا جائے گا۔

صوفیہ کردار پر زور دیتے تھے اور کردار کی فضیلت کا معیار خلق کی خدمت کو سمجھتے تھے۔شیخ سعدی شیرازیؒ کا شعر ہے۔۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق بیست

خدمت خلق صرف یہی نہیں ہے کہ حاجت مند کی مدد کر دی جائے یا بھوکے کو کھانا کھلا دیا جائے۔اس کا دائرہ عمل بہت وسیع ہے۔بنی نوع انسان کے ساتھ محبت،شفقت اور مساوات سے پیش آنا،ان کے ساتھ انصاف کرنا،حلم اور بردباری سے پیش آنا، ان کی دل شکنی نہ کرنا،دردمندوں کا درد بانٹنا،سخاوت اور ایثار کرنا، یہ سب باتیں اس میں شامل ہیں۔انسان کی معنوی زندگی میں تبدیلی لانے کے لیے بلند اور پاکیزہ نصب العین درکار ہے اور اسی وقت معاشرے کو بلند کردار اور پاکیزہ لوگوں کی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے معاشرے میں جو فساد پیدا ہوگیا تھا اس کی اصلاح مشائخ چشت نے اپنی پاکیزہ زندگی اور اعلی کردار کی مثال دکھا کر اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ کی انھوں نے یہی سکھایا کہ انسان کو چاہیے برائیوں سے بچے اور اپنے کردار میں سچائی،محبت،تحمل،در گذر،انصاف،ایثار اور داد دہش جیسے صفات حسنہ پیدا کرے تبھی اس کی رستگاری ہوسکتی ہے،ان کی تعلیمات مختصراذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

تزکیہ نفس: تصوف کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس ہے۔یعنی اپنے نفس کو برائیوں سے پاک رکھنا۔یہ کسب حلال،صبر اور خدمت خلق کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔نقل ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے دریافت کیا گیا۔اسم اعظم کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ:اسم اعظم یہ ہے کہ تم اپنے پیٹ کو حرام لقمے سے اور دل کو دنیا کی محبت سے پاک وصاف رکھو تو پھر خدا کے جس نام کو بھی پڑھو گے وہ اسم اعظم ہے۔(فوائدالفواد)

دنیا کی محبت کے ترک اور حلال روزی کے کسب سے ایمان میں استحکام آتا ہے۔اور دوسری اچھی خصلتیں آپ سے آپ پیدا ہوجاتی ہیں۔دنیا کا مفہوم صوفیہ کی اصطلاح میں یہ ہے

چیست دنیا از خدا غافل بدن ل
نی قماش ونقرہ و فرزند و زن

خدمت خلق: بنی نوع انسان کی خدمت اور ان کو راحت

اور فائدہ پہنچانے کا اعلیٰ ہے۔ دراصل حقوق العباد کے دائرے کا اعلیٰ میں خدمت خلق بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ فوائد الفواد میں مذکور ہے کہ حضرت محبوب الہیؒ نے فرمایا: "لازمی طاعت وہ ہے جس کا فائدہ صرف طاعت کرنے والے ہی کے نفس تک رہے اور یہ طاعت ہے۔ نماز، حج، اوراد و وظائف، تسبیحات اور انہی نے مانند دوسری چیزیں۔ متعدی طاعت وہ ہے کہ اس سے دوسرے کو منفعت اور راحت پہنچے۔ پھر جسے یہ راحت پہنچے وہ دوسرے پر لطف و کرم کرے اسے متعدی طاعت کہتے ہیں۔ اس کا ثواب بے حد و حساب ہے۔"

صبر و تحمل اور درگزر: صبر و تحمل اور درگزر کی تعلیم پر صوفیہ نے زور دیا ہے۔ عفو کو انتقام پر فضیلت حاصل ہے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا ارشاد ہے: طریقہ کا آنست کہ با مابدی کند در برابرش نیکوئی بکنیم۔ یعنی ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جو ہمارے ساتھ برائی کرے اس کے عیوض میں ہم نیکی کریں۔ (فوائد الفواد)

حضرت محبوب الہیؒ نے تحمل اور بردباری اختیار کرنے پر بہت زور دیا اور فرمایا: جو شخص جفا اور سختی برداشت کرتا ہے۔ وہ بہتر ہے۔ جفا اور سختی جس شخص کی طرف سے بھی ہو سہ لینی چاہیے۔ اور اس کا بدلہ لینے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ (فوائد الفواد)

دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں۔ اگر ایک شخص دوسرے پر ناراض اور غضبناک ہوتا ہے اور دوسرا تحمل اور بردباری سے کام لیتا ہے تو یہ اس شخص کی خوبی ہوگی جو کہ تحمل اور بردباری کرتا ہے۔ (فوائد الفواد)

ترک دنیا: صوفیہ پر ترک دنیا کا الزام لگایا جاتا ہے یعنی وہ اپنی زندگی میں ان تمام چیزوں سے استفادہ کی نفی کرتے ہیں جو خالق کائنات نے بنی نوع انسان کے لیے پیدا کی ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ مشائخ چشت کے نزدیک ترک دنیا یہ تھی کہ دنیا سے دل بستگی نہ رکھے لیکن مایحتاج زندگی کا استعمال کرے۔ حضرت محبوب الہیؒ کا ارشاد ہے۔

"ترک دنیا یہ نہیں کہ کوئی شخص کپڑے اتار کر برہنہ ہو جائے مثلاً لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے۔ ترک دنیا یہ ہے کہ وہ لباس بھی پہنے اور کھانا بھی کھائے۔ البتہ جو کچھ اس کے پاس آئے اسے خرچ کرتا رہے۔ جمع نہ کرے۔ اس کی طرف راغب نہ ہو اور دل کو کسی چیز سے وابستہ نہ کرے۔ (فوائد الفواد)

دوسری جگہ آپ نے فرمایا" دولت اگر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے جمع کی جائے تو برا نہیں ہے۔ (فوائد الفواد)

اطعام طعام: کھانا کھلانا ہر مذہب میں پسندیدہ کام ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ نے ایک بزرگ کا ارشاد بیان کیا کہ (ایک) درہم کا کھانا پکا کر دوستوں کے سامنے پیش کرنا بیس درہم بطور صدقہ دینے سے بہتر ہے۔ (فوائد الفواد)

کھانا کھلانے میں آشنا اور بیگانہ کی تخصیص نہیں احادیث شریف میں منقول ہے۔" ہر شخص کو کھانا دو خواہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہیں پہچانتے۔" (فوائد الفواد)

اس ضمن میں حضرت محبوب الہیؒ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ چنگیز خان جیسے جابر بادشاہ نے خواجہ علی بن شیخ رکن الدین چشتیؒ

کو جو قید ہو گئے تھے صرف اس بات پر قید سے رہا کر دیا کہ ان کے والد بیگانوں کو بھی کھانا کھلاتے تھے۔(فوائدالفواد)

داد و دہش: سخاوت اور داد و دہش ایک پسندیدہ خصلت ہے۔اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے اور خدمت خلق کے ضمن میں آتا ہے۔فوائد السالکین میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ایک روایت منقول ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ ایک درویش کو عرفان مجاہدہ سے نہیں بلکہ داد و دہش سے حاصل ہوا۔ان کے پاس سے کوئی محروم نہیں جاتا تھا خواہ وہ درویش ہو یا تونگر۔(مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت اردو)

حضرت بابا فرید شکر گنجؒ کا ارشاد ہے کہ" درویش کے پاس خواہ مسکین ہو خواہ تونگر حاضر ہو لازم ہے کہ اسے محروم نہ جانے دے۔جو کچھ موجود ہو دینا چاہیے۔"

(مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت اردو)

محبت و شفقت: حضرت محبوب الہیؒ کا ارشاد ہے آدمی کو نرم دل ہونا چاہیے اور خلق کے ساتھ محبت اور شفقت سے زندگی گزارنی چاہیے۔(فوائدالفواد)

آپ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے محض اس بنا پر ایک شخص کا پروانہ امارت واپس لے کر پھاڑ دیا کہ اس میں محبت اور شفقت نہیں تھی۔(فوائدالفواد)

عیب جوئی: عیب جوئی ایک مذموم فعل ہے۔اس ضمن میں حضرت محبوب الہیؒ فرماتے ہیں:" اگر کوئی شخص دوسرے پر عیب لگاتا ہے تو سب سے پہلے اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ عیب خود اس میں بھی ہے یا نہیں۔اگر وہ عیب خود اس میں ہے۔تو اسے شرم آنی چاہیے کہ جو عیب خود اس میں ہے۔وہ اس کا دوسرے کو طعنہ دے رہا ہے۔اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے تو وہ خدائے عزوجل کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے اس عیب سے محفوظ رکھا ہے اس کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس کا دوسرے کو طعنہ دے۔(فوائدالفواد)

ان تعلیمات کی بدولت چشتیہ سلسلہ کے بزرگان دین اپنی حیات میں مرجع خلائق رہے اور دنیا سے پردہ کرنے کے بعد بھی ان کے آستانے آج تک فیوض و برکات روحانی کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔حضرت خواجہ میر درد فرماتے ہیں ہے۔

کرتا ہوں پس از مرگ بھی حل مشکل عالم
ہے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں

(حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے عرس شریف کے موقع پر منعقد ہونے والے سمینار میں یہ مضمون پڑھا گیا۔ماخوذ: ماہنامہ منادی نئی دہلی، جلد 57،شمارہ 2)

☆☆☆☆☆☆☆



اولیاء اللہؒ کے عرسوں کا جواز

از: حضرت حاجی شاہ بدرالدین احمد چشتی نظامی

(حضرت مخدوم سراج الدین چشتیؒ کی درگاہ موضع رٹول ضلع میرٹھ میں واقع ہے۔ حضرت مخدومؒ کا عرس عرصہ دراز سے بند تھا 1926ء میں حضرت حاجی شاہ بدرالدین احمد صاحب چشتی نظامی نے اس کو جاری کیا اور اس کے بعد سے درگاہ شریف کے انتظامات کو نہایت عمدگی سے سنبھال رکھا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا بھوپال میں حضرت حاجی صاحب نے حضرت فتح اللہ شاہ صاحبؒ کے سالانہ عرس مبارک پر ایک تقریر کی تھی جس میں منکرین سماع اور اجتماع عرس کے مخالفوں کے اعتراضات کا جواب دیا تھا، ادارہ منادی حضرت حاجی بدرالدین احمد صاحب چشتی نظامی کا ممنون ہے کہ انھوں نے یہ تقریر بغرض اشاعت ارسال فرمائی۔

حضرت شاہ فتح اللہ صاحب چشتیؒ کا مزار قلعہ رائسیس بھوپال میں ہے۔ حضرت کے متعلق زیادہ تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ عوام میں یہ مشہور ہے کہ مالوہ میں سب سے پہلے حضرتؒ کے وحدانیت کی تبلیغ فرمائی تھی، اور حضرت حضور خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے بھانجے تھے۔ منادی کے ناظرین میں سے اگر کوئی صاحب حضرتؒ کی زندگی کے متعلق کچھ لکھ سکیں تو ادارہ منادی ممنون ہوگا)

لاکھوں درود وسلام اس نبی عالی مقام پر جس نے دنیا میں تشریف لا کر وحدت ومحبت الٰہی کی بے لاگ تشریح اور تبلیغ فرمائی جبکہ دنیا سے صحیح اخلاق مٹ چکا تھا اور اندھیرا چھایا ہوا تھا، اپنے پیارے خدا کی ہدایت پر دنیا کو دعوت عمل دی اور خود خلق مجسم پیکر محبت بن کر اپنے وجود سے دنیا کو منور فرمایا اور جس ایثار مجسّم نے عشق الٰہی کی آخری قربان گاہ پر اپنے چہیتے نواسے کا نذرانہ پیش کیا۔

ہنوز تشنہ تکمیل تھا مذاق خلیلؑ
حسینؓ ہی کی ضرورت تھی کربلا کے لئے

ہزاروں درود وسلام آپ اطہار محمد ﷺ واصحاب کبارؓ کی روح پر جنہوں نے رسول پاک ﷺ کے نقش قدم پر چل کر دنیا کے لئے صحیح راہ عمل مرتب کی۔ ہزاروں سلام اس مجاہد ملت وچشم و چراغ چشت حضرت شرف الملہ والدین شاہ فتح اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی روح پرفتوح پر جس کے جہاد نفس اور بے ریا خدمت نے خارزار مالوہ کو وحدت کے نور سے چمکا دیا، اس خدمت کے ادنیٰ اعتراف کے طور پر اس کے آستانہ عالیہ پر ہم سب کو آج حاضر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ برادران گرامی میں نہ عرف عام میں مقرر ہوں، نہ ادیب ایک فقیر بے نوا کی حیثیت سے اپنے ٹوٹے پھوٹے خیال کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کرنا چاہتا ہوں، ایک دیوانہ محبت ہوں۔

کیا صوفی و ملا کو خبر میر جنوں کی
اُن کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

معلم محبت حضرت شاہ فتح اللہ صاحبؒ کا ادنی خادم ہوں جن کی نیم نگاہی کی تاثیر نے میرے حسیات کو معطر کر دیا ہے، بہ ظاہر میری علالت اس مرتبہ بھوپال آنے کا باعث ہوئی اور عرصہ علالت میں عرس سے پہلے تین دفعہ حاضری کا اتفاق ہوا، اور مجھے صاف محسوس ہو رہا ہے کہ اب کی دفعہ بھوپال کی حاضری صرف حضور کی ادنی توجہ کا کرشمہ ہے۔

مری طلب بھی اُسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

حضرات میری اس وقت آپ کے سامنے گزارش ایک درد بھری آواز ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکل کر ان صاحبان کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کی جرات چاہتی ہے جو اجتماع عرس و سماع پر معترض رہتے ہیں۔ کچھ صوفیا کرام سے مجھے عرض کرنا ہے، میں امید کرتا ہوں کے ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے:

حضرات! اسلام کا چمکتا ہوا سورج جب وادی بطحا سے نکل کر جگمگایا تو اس کی کرنیں دنیا کے ہر حصہ میں پہنچیں، اور بقدر ظرف ہر ملک اس چشمہ فیض سے سیراب کیا گیا، وحدت اور محبت الہی کے سبق کو ہر خاص و عام تک پہنچانے کے لئے سرفروش مجاہدان ملت دنیا کے تمام حصوں میں پھیل گئے۔ ان لوگوں میں ایک طبقہ شراب محبت سے سرشار عشق الہی میں مستغرق، ظاہر داریوں سے بے نیاز الفقر فخری کا نمونہ بن کر ہندوستان کی جانب پیغام وحدت سنانے نکل کھڑا ہو، یہ چشت اہل بہشت تھے جن کے کارناموں کے لئے ہندوستان کی تاریخ اسلامیات کا ہر ورق گواہ ہے۔ آج یہاں کروڑوں پرستاران توحید بلا واسطہ یا بالواسطہ اسی گنجینہ وحدت کے رہین منت ہیں۔

ہر ملک ہر رسم ایک مشہور مقولہ ہے۔

ہندوستان میں جب خواجہ خواجگان حضرت معین الملتہ والدین حسن سجزی چشتی رحمتہ اللہ علیہ توحید کا سبق پڑھانے کے لئے تشریف لائے تو ظاہر ہے کہ اس ملک کے اخلاق و عادات سرشت طبعی کے گہرے مطالعہ کی ضرورت تھی، ہندوستان کی سرسبزی و شادابی اپنے اندر لوچ اور لچک رکھتی ہے یہاں کان کوئل اور پپیہے کی ترنم ریزی سے آشنا خشک تخاطب کے ذریعہ کو مدشواری قبول کرتے، اسی وجہ سے سماع کی بنیاد پڑی (یہ مسئلہ بحث طلب ہے۔ ادارہ) تاکہ اس ملک کے ماحول کے مطابق توحید کا سبق نہایت میٹھے سروں میں لوگوں کے کانوں تک پہنچایا جاسکے۔ اس مٹھاس کے ساتھ روحانیت کے اس پیکر مجسم نے محبت الہی کی کرنیں لوگوں کے سینوں میں مستقلاً عکس ریز کر دیں۔

انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ جس قدر زیادہ آدمیوں کی کثرت ہوتی ہے اتنے ہی زیادہ آدمی جمود میں ہیجان پیدا کرنے کے لئے درکار ہوتے ہیں، ان مادی نفوس کو کیا خبر کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی ایک نگاہ نے لاکھوں دلوں کی کایا پلیٹ کر دی، اور اُن کے زنگ آلود سینے محبت الہی سے معمور کر دیئے۔ توحید الہی و رسالت کا اعتراف یعنی شرط ایمان کا پہلا سبق پڑھا کر آہستہ آہستہ امر و نواہی کے عمل پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک طالب

علم مکتب میں داخل ہوتے ہی عالم نہیں بن جاتا، اگرچہ سب ڈگری کالجوں کا مقصد طلباء کو عالم بنانا ہوتا ہے، لیکن کورس مختلف ہوتے ہیں اور پڑھانے کا طریقہ بھی مختلف ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے ہندوستان میں ایک مستقل روحانیت کی یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جس کو ان کی وطنی مناسبت سے چشتیہ کہتے ہیں۔اس بیت العلوم کی تعلیمات توحید و محبت ہندو، مسلمان، سکھ، پارسی، عیسائی سب کے لئے عام ہے جہاں تعلیم کی ابجد محبت سے شروع ہوتی ہے اور یہ ہی محبت ہم سب کو یہاں کھینچ لاتی ہے۔

حضرات جب نیت نیک ہو تو کسی معلم روحانیت کے آستانہ پر جمع ہونے والے کیوں مستحق اعتراض ٹھیرائے جائیں، یہاں خلوص سے حاضر ہونے والے رگ پے میں روحانیت کی تعلیم کو نشر ہوتا محسوس کرتے ہیں۔جس مشن پر یہ برگزیدہ ہستیاں معمور کی گئی ہیں آج تک جاری ہے۔اصول میں تبدیلی ممکن نہیں لیکن حالات گرد و پیش کے لحاظ سے فروعات میں اجتہاد کر کے توجیہات خاص کے ذریعہ محبت کے ذرات کا بقدر استعداد روح میں داخل کر کے ہیجان اور ولولہ پیدا کرنا صاف طور پر مستحسن نہیں تو اور کیا ہے۔اس دشوار تر تعلیم کے کورس کو جس طرح اولیاء کرام نے کٹھن دور سے گزرتے ہوتے مجاہدات نفس کا عملی نمونہ بن کو جن تاثرات کے نقوش تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لئے ثبت فرمائے ہیں وہ روز روشن کی طرح سب کے سامنے ہیں۔حضرات بات یہ ہے کہ ظاہر میں محبت کے الفاظ دہرانا اور چیز ہے اور محبت کے تلخ گھونٹ گوارا کرنا اور چیز ہے، زبان سے صرف کہنے اور عمل کرنے میں جو فرق ہے۔وہ سب جانتے ہیں محبت کے تلخ گھونٹ جب حلق سے نیچے اترتے ہیں تو پھر امتحان کا وقت آتا ہے اور یہ وقت جب کسی خوش نصیب مرد میدان وفا کو نصیب ہوتا ہے تو بڑی سخت ٹکر سے دو چار ہونا پڑتا ہے اور قدم جمنے مشکل ہوتے ہیں۔

شروع راہ محبت ارے معاذ اللہ
یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

اس آڑے وقت میں محبت کے متوالوں کے لیے کام آنے والی عشق کی چنگاریاں ہیں جن کے اثرات روح میں جاری و ساری ہو جاتے ہیں، یہ وہ ارفع و اعلی منزل ہے جہاں منصور و سرمد جیسے بہت سے مجاہدان محبت امتحان کی کسوٹی پر کسے جا چکے ہیں۔یہ دیوانگی اصل میں ہوش کی دنیا میں قدم رکھنے کا نام ہے۔ بعض ہمارے بھائی امتحان کی سختیوں سے گھبرا کر طرح طرح کی تاویلیں تراشتے ہیں اور امتحان سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں۔

حضرات میں نے آپ کا کافی وقت لیا لیکن میر درد بھرے دل کی آواز کا منشا تخریبی پہلو اختیار کرنے والوں کی خدمت میں یہ عرض کرنا تھا کہ جب اصول میں اختلاف نہیں تو فروعات کے اختلاف کی بنا پر کسی کو مورد الزام بنانا بیکار ہے۔آپس کے قیل و قال سے زندگی کے بیش بہا لمحات کو ضائع کرنا کام کرنے کی اسپرٹ کو ضائع کرنا ہے، اپنی ناچیز گزارش کو ختم کرنے سے پہلے میرا دل چاہتا ہے کہ پیران طریقت و صوفیا کرام کی

خدمت میں بھی کچھ عرض کروں۔ حضرات اولیاء اللہ کے عرس قدرتی کانفرسیں ہیں، یہاں محبت آستانوں پر لوگوں کو خود بخود کھینچ لاتی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ اس اجتماع سے فائدہ اٹھا کر اپنے اپنے حلقہ ہائے ارادت میں روحانیت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ معاشرتی اور اقتصادی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصلاح کی طرف قدم بڑھایا جائے، یہ لمبے چوڑے پروگرام سے شروع نہ ہو۔ کیونکہ موجودہ تنزل کسی بڑے نظام کو انتشار کی وجہ سے اپنے اندر قبولیت پیدا نہیں کرا سکتا، اپنے زیر اثر حلقہ سے صرف یہ عہد لیا جایا کرے کہ اُن کی آمدنی سے ان کے اخراجات کسی صورت زیادہ نہ ہوں، یہ اصول اپنے اندر ہزاروں اصلاح کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ اپنے قدم پر کھڑے ہو کر تمدن کی نئی نئی راہیں ہم پر کھل جائیں گی۔

حضرات درگاہ شریف کے احاطہ کی توسیع اور جدید عمارتوں کی تعمیر کی ابتداء دیکھ کر جناب محمد صدیق صاحب ناظم اور ان کے صوفی نائب ناظم اور دیگر رفیق کاروں کی اس والہانہ خدمت کا ذکر نہ کرنا ناشکری ہوگا جس کا نمونہ ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے، ایسے ہی ذی ہوش حضرات ذمہ داری کا احساس اور محبت رکھنے والے دوسروں کے لئے مثال کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔

درگاہ کے روز افزوں ترقی کے اسباب دیکھ کر دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا ہے اور دل سے بے ساختہ دعائے خیر نکلتی ہے۔ حضرات آئیے آخر میں میرے ساتھ حضرت قدرۃ السالکین کی روح مقدس پر فاتحہ کے پھول پڑھائے۔

(ماخوذ: ماہنامہ منادی نئی دہلی، فروری 1955ء)





© https://www.khwajahasanmiansahib.life

عرس اور اس کا جواز

از: حضرت سید شاہ محمد فاروق صاحب قادری ابوالعلائی

جب کوئی اللہ والا انتقال کرتا ہے اور قبر میں رکھا جاتا ہے تو یوں خوش خبری سنائی جاتی ہے کہ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے" نم کنوم العروس" یعنی سو جیسے دلہن سوتی ہے۔ اسی حدیث سے عرس کا لفظ اخذ کیا گیا ہے کیونکہ اللہ والوں کی موت محبوب حقیقی کا وصل ہے پھر اس سے بڑھ کر کون عروسی ہوگی۔ اس کا صحیح اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ان درجات عالیہ سے مستفیض ہو چکے یا مستفیض ہونے کی کوشش فرما رہے۔

عرس سے بزرگان دین کا صرف یہ منشا ہے کہ سال کی ایک بار اللہ والے اور ان کے معتقدین ایک جگہ جمع ہو کر خدا اور رسول ﷺ کے ذکر سے اپنے قلب کو صاف کریں۔ شیرینی اور کھانے سے فقیروں اور دوستوں کی تواضع کریں۔ کلام اللہ پڑھ کر صاحب قبر کو ثواب پہنچائیں اور جو بات سمجھ میں نہ آتی ہو اسے صاحب سجادہ سے پوچھ کر اطمینان حاصل کریں نیز اولیاء اللہ کے تذکرہ سے مستفید ہوں اور برکات وحسنات حاصل کریں۔ بحوالہ حدیث نبوی عند ذکر الصالحین تنزل الرحمہ یعنی صالحین کے ذکر کے وقت اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے غرض ان مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مشائخین پیران عظام کی یادگار ہر سال ان کی تاریخ وفات میں مناتے ہیں۔

خاتم المحدثین حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہر سال اپنے والد ماجد کا عرس کیا کرتے تھے کسی مولوی نے اعتراض کیا کہ تم نے عرس کو فرض سمجھ رکھا ہے جو ہر سال کرتے ہو۔ اس کا جواب آپ اپنی کتاب زبدۃ النصائح مطبوعہ ۱۲۶۸ھ کے صفحہ ۴۲ میں فرماتے ہیں کہ" این طعن کے مبنی ست بر جہل احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچکس فرض نمید اندارے تبرک و زیارت قبور صالحین و امداد ایشاں بامداد ثواب وتلاوت قرآن مجید و دعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن و خوب است با جماع علماء وتعین روز عرس آنست کہ آن روز ذکر انتقال می باشد از دار احمل بدار الثواب۔"

ترجمہ: یہ طعن دراصل طعن کرنے والے کی جہالت کی دلیل ہے کیونکہ جو مقررہ شرعی فرائض ہیں ان کے علاوہ اور کسی چیز کو کوئی فرض نہیں سمجھتا۔ البتہ حصول برکت اور زیارت قبور صالحین اور استداد یہ حصول برکت اور زیارت قبور صالحین اور استداد اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن مجید اور دعائے خیر اور تقسیم طعام وشیرینی یہ سب علماء کے نزدیک اچھی چیزیں ہیں اور عرس کے دن کا تعین اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس روز دار العمل سے دار الثواب کی طرف انتقال کا دن ہوتا ہے۔ (ادارہ) اس کے بعد عرس کی اصلیت احادیث سے ثابت ہوئی۔

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان ياتى قبور الشهداء على راس كل حول فيقول سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار والخلفاء الاربعة هكذا يفعلون یعنی رسول اللہ ﷺ

تشریف لایا کرتے تھے قبور شہداء پر ہر برس اور فرماتے تھے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار اور بعد آپ کے چاروں خلفائے راشدین اسی طرح کرتے تھے۔

از روئے لغت عرب اطلاق حول کا شروع واقعہ سے پورا سال گزر جانے پر ہوتا ہے پس از روئے لغت عرب ثابت ہوا کہ موت شہداء کے دن سے برسویں دن حضور ﷺ تشریف لے جایا کرتے تھے بس یہی اصلیت عرس کی ٹھہری۔

علامہ موصوف کی اس تقریر سے اور بھی چند باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ ہر زمانے میں بزرگان دین کے لوگ مخالف ہوتے رہے باوجود یکہ بڑے بڑے علماء ان کے معتقد تھے پھر بھی منکرین اپنی نکتہ چینی سے باز نہ آئے جس کے مولانا شاکی ہیں اور فرماتے ہیں" این طعن مبنی است بر جہل احوال مطعون علیہ" دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ قبور صالحین کی زیارت موجب برکت و رحمت ہے تیسرے یہ کہ بہ یک وقت جمع بین العبادات باجماع علماء مستحسن اور خوب ہے۔ چوتھے اس بات کا بھی علم ہوا کہ کارحسنہ کے لیے دن مقرر کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ ہر سال کے شروع میں قبور شہدا پر جایا کرتے تھے۔ اور ہر سال کے شروع میں پابندی کے ساتھ جانا تعین روز کی دلیل ہے۔ مگر مدعیان عمل بالحدیث تو چیخ چیخ کر فرماتے ہیں کہ خبردار اس اس فعل کے مرتکب نہ ہوا کرو۔ یہ ایک گناہ عظیم ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر سچ سچ بقول منکرین اسے گناہ تسلیم کر لیا جائے تو سب سے پہلے اس کا اطلاق خود خدائے بے نیاز پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے خود سال میں ایک مخصوص دن حج کے لیے مقرر فرمایا۔ عیدین کے لیے بھی تقرری یوم لازم گردانی، پس ہم بھی اگر کارحسنہ کے لیے کوئی دن اور تاریخ مقرر کر لیں تو ہرگز یہ اللہ کے قانون سے علاحدہ نہیں۔ علاوہ ازیں بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث بیان کی کہ جو شخص جمعہ کے دن اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے گا وہ بخشا جائے گا۔ اور موطا امام محمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے بلال دوشنبہ کا روزہ ترک نہ کیا کرو کیونکہ اس روز میں پیدا ہوا ہوں۔ اس حدیث سے دن کی تقرری صاف صاف سنت ثابت ہوا بلکہ امور مستحسنہ کے لیے تعین روز کا حکم فرمایا۔

منکرو! ذرا سچ کہنا تمھارے مدارس میں جو سالانہ جلسہ ہوا کرتا ہے اس میں کیا ایک تاریخ مقرر نہیں ہوتی۔ اور پھر دور دور سے علماء کو سیکنڈ کلاس کا خرچ دے کر بلایا جاتا ہے تقریریں ہوتی ہیں انعامات تقسیم کیے جاتے ہیں اور اصراف بیجا ہوا کرتا ہے تو یہ بدعتوں کا مجموعہ تو جائز اور باعث ثواب ہو لیکن عرس فاتحہ اور میلاد شریف وغیرہ وغیرہ محض تعین روز کے سبب بدعت اور ناجائز قرار دیا جائے۔ اگر فی الواقع تقرر یوم سے نفرت ہے تو بہتر ہے کہ تعین روز کر کے نکاح نہ کریں۔ تعین روز کر کے مشاہرہ نہ لیں۔ تعین روز کر کے وعظ نہ کہیں بلکہ تعین وقت کے ساتھ درس نہ دیں۔ غرض نئی شریعت کے مطابق ہر وہ فعل جو تعین روز اور تعین وقت پر ہوا کرتا ہے اس سے کوسوں دور بھاگیں۔

ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

تعین یوم کی ضرورت:

بہتیرے امور مسلمانوں میں ایسے رائج ہیں جن کا وجود تابعین یا تبع تابعین کے زمانے تک نہ تھا بلکہ بعض امور تو خلاف شریعت سمجھے جاتے تھے۔لیکن اب بالاتفاق مستحسن سمجھے جاتے ہیں مثلاً بنائے مدارس اور مساجد کی زینت،تعلیم دین پر اجرت وغیرہ اور اس قسم کی بیسیوں مثالیں کتب احادیث وفقہ میں موجود ہیں اور بلا اختلاف رائج ہیں۔پس اگر دلائل سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تب بھی کوئی قباحت تقرری یوم میں معلوم نہیں ہوتی جس طرح اس دور نورانی کے گزر جانے پر جب بے رغبتی امور صالحہ کی دلوں میں پیدا ہونے لگی اور جذبات حسنہ مدہم پڑنے لگے تو علمائے عالی مقام نے امور مندرجہ بالا کی اجازت دی اور جائز و مستحسن قرار دیا۔ یوں ہی مصلحت زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے تقرری یوم معین کی ہوتی ہے تاکہ منتظم کو بتدریج انتظام سہل ہو اور موتی کے لیے خیرات و حسنات کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔کون نہیں جانتا کہ تعین روز کے باعث مجمع کثیر ہوتا ہے اور جس قدر بڑا مجمع ہوگا اسی قدلا الہ الا اللہ کی کثرت ہوگی جو سبب نزول رحمت کا ہے۔

مسلمانو! اگر زمان و مکان یا کسی ہیئت اور وضع کی بدل جانے کی وجہ سے کسی حکم شرع میں تغیر وتبدل واقع ہو تو بے شک یہ جائز ہے ہرگز شرع شریف کے مخالف نہیں۔مجمع البحار، شامی اور فتاوی عالمگیری جیسی کتب معتبرہ میں ہے کم من احکام تختلف باختلاف الزمان پس اگر واقعی یہ کہا جائے کہ یہ بدعت اور ناجائز ہے تو صحیح معنوں میں ہم اس بات کے اظہار پر مجبور ہیں کہ خود منکرین کا دامن بدعت سے آلودہ ہے۔بتاؤ وہ کون سے احکام ہیں جن پر علماء کا انکار نہیں ہوا۔الحمد اللہ یہ کوئی راز نہیں جسے اہل علم نہ جانتے ہوں۔

اب ان تصریحات کے بعد بھی اگر کسی کے دل میں شبہات باقی رہ جائیں تو ان کا علاج سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ جناب باری میں یہ دعا کی جائے کہ خداوندا بطفیل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم منکرین کے تاریک دلوں کو منور فرما کر قبول حق کا مادہ پیدا کر اور توفیق انصاف عطا فرما۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔



© https://khwajahasanmiyan.life

وسیلہ کی اہمیت وافادیت

از: جناب مولانا شبنم کمال مظفر پوری

دنیا کی تمام مخلوق اور عالم کی تمام چیزیں اپنے وجود اور بقا میں وسائل و ذرائع کی طرف محتاج ہیں وسائل اور وسایط کا خالق اللہ و جل ہے۔ یہ اللہ تعالی کی حکمت ہے کہ اس نے وسیلوں اور اسباب کو پیدا کیا۔ پھر سب کی ترتیب اس طرح کی کہ ایک کو دوسرے کے وجود و بقا کا سبب و ذریعہ بنایا بلکہ ایک انسان کو دوسرے کے حصول معاش، بقائے حیات و دفع ضرر کا وسیلہ بنایا۔ نظام عالم پر غور کیجیے، تو یہ بات آپ پر خود بخود واضح ہو جائے گئی کہ ایک انسان کسی دنیاوی حاکم یا بادشاہ کے دربار میں اپنی حاجت براری اور تکمیل مقاصد کے لیے ایسے انسان کو ذریعہ اور وسیلہ بناتا ہے جو اس کے دربار میں مقرب ہو، جو محبوب ہو جس کی بات سنی اور مانی جاتی ہو۔

ایک نابینا آدمی اپنی منزل تک صحیح سلامت پہنچنے کے لیے راہ میں ایسے شخص کو وسیلہ بناتا ہے جو اہل نظر اور صاحب بصیرت ہو۔ ایک مریض انسان اپنے مرض کے علاج کے لیے ایسے شخص کو وسیلہ بناتا ہے، جو طبیب حاذق اور فن حکمت میں ماہر ہو۔ ایک کمزور و نحیف انسان اپنے دوش ناتواں کو بار گراں سے ہلکا کرنے کے لیے ایسے شخص کو طلب کرتا اور ذریعہ بناتا ہے، جو قوی اور توانا ہو۔ ایک جاہل آدمی راہ شریعت میں کسی مسئلہ کو دریافت کرنے اور حصول علم کے لیے ایسے شخص کو ذریعہ بناتا ہے جو مسائل شرعیہ کا عالم اور واقف ہو۔ ایک نادار مرد اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ایسے شخص کے دروازہ پر دستک دیتا اور صدا بلند کرتا ہے جو غنی اور سخی ہو۔ ایک مسافر منزل پر پہنچنے کے لیے راہ سلوک میں ایسے شخص کو راہ بر بناتا ہے جو منزل شناس ہو۔ انبیاء کرام، اولیائے عظام اور بزرگان دین خداوند تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں۔ یہی حضرات مقربین بارگاہ خداوندی صاحب نظر، طبیب جسمانی و روحانی، عالم علوم اور واقف منزل ہیں۔ انھیں اپنا وسیلہ اور ذریعہ بنانا حصول مقصد اور مطلب براری کا سبب ہے۔ اس لیے کہ وہ امور جو عام انسانوں سے انجام نہیں پاسکتے۔ انھیں مقدس حضرات سے انجام پاتے ہیں جہاں عام انسان مجبور محض اور انتہائی بے بس و بے کس نظر آتا ہے۔ جہاں انسان بحر آلام و مصائب میں ہر طرف سے یا دنیا گھرا ہوا نظر آتا ہے۔ جہاں دنیا ہر طرف تاریک اور خوفناک معلوم ہوتی ہے۔ جہاں امیدوں اور تمناؤں کی شمع آخری ہچکیاں لیتی نظر آتی ہے۔ وہاں اللہ کے نیک بندے ہی کام آتے ہیں اس لیے محبوبان خدا کی طرف توجہ کرنا، ان کو وسیلہ بنانا ان سے مدد طلب کرنا امر پسندیدہ ہے۔ مشکلوں کے حل ہونے بلاؤں کے دور ہونے اور مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔

طالب وسیلہ کے متعلق خود خالق کائنات کا ارشاد ہے:

وابتغوا الیه الوسیلة و جاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون : اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں کوشش کرو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔

دوسری جگہ انبیاء کرام اور ملائکہ کے متعلق اللہ عزوجل کا

ارشاد ہے: اولئك الذين يدعون الى ربهم الوسيلة : وہ حضرات اپنے رب کی طرف وسیلہ طلب کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو وسیلہ پسند ہے اور وہ اپنی طرف وسیلہ ڈھونڈھنے کا حکم دیتا ہے اور جو لوگ اس کی طرف وسیلہ طلب کرتے ہیں وہ لائق انعام واکرام بندے ہیں۔

اس علم کے بعد یہ جاننا بھی لازم ہے کہ اذان کے بعد والی دعا میں جو وسیلہ کا لفظ آیا ہے، وہاں وسیلہ سے مراد جنت میں ایک مقام ہے جس کے بارے میں ہمیں امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ اللہ کے فضل سے وہ مقام سرور کائنات ﷺ کو ملے گا۔ لیکن ان مذکورہ بالا آیتوں میں وسیلہ سے مراد اعمال صالحہ، افعال نافعہ اور بالخصوص وہ حضرات ہیں جو محبوبین بارگاہ خداوندی اور مقربین دربار الٰہی ہیں۔ یعنی خدا کے نیک بندے، اس لیے کہ اعمال صالحہ کی قبولیت، خطاؤں کی معافی اور تکمیل حاجت کے لیے ان کا وسیلہ ڈھونڈھنا انبیائے کرام، صلحائے عظام، علمائے دین اور عرفائے شریعت سے ثابت ہے۔ انبیاء کرام نے حضور اکرم ﷺ کے ظہور پرنور سے پہلے حضور ﷺ کے نام کو وسیلہ اور شفیع بنایا۔

بخاری شریف کی ایک مشہور حدیث سے یہ بات بہ خوبی واضح ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے طلب کرنے کے لیے سیدنا عباسؓ کو جو سرور کائنات ﷺ کے چچا تھے وسیلہ بنایا۔ حصن حصین میں بخاری شریف کے حوالہ سے یہ دو روایتیں آداب دعا کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: و ان يتوسل الى الله تعالى بانبيائه (دعا کے آداب سے) کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے انبیاء سے توصل کرے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اضافہ کے ساتھ فرمایا: والصلحين من عباده: اور اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ پکڑے۔

ظاہر ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فعل پھر حضرت عمرؓ اور حضرت انسؓ کے ارشادات انبیاء اور اولیاء کے ساتھ وسیلہ کی اہمیت و افادیت پر دلیل محکم ہیں۔ اگر توسل کی حاجت نہ ہوتی تو اس کا ذکر ہی کیوں ہوتا۔ اس ضمن میں ایک مشہور و معروف حدیث کا مطالعہ کیجیے۔ جسے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور حضرات نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی، طبرانی اور ابن خزیمہ نے اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے۔

ایک ضرورت مند آدمی حاجت کے لیے حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں آیا جایا کرتا تھا لیکن نہ آپ اس کی طرف توجہ کرتے تھے اور نہ اس کی ضرورت پر نظر فرماتے تھے۔ اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیفؓ سے اس بات کی شکایت کی۔ عثمان بن حنیفؓ نے اس شخص سے کہا کہ وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو، پھر اس طرح دعا مانگو:

الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جانب اپنے نبی محمد ﷺ رحمت کے نبی کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں کہ میری ضرورت پوری فرما" اور اپنی حاجت کا ذکر کر۔ شام کو پھر میرے پاس آتا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں۔ وہ مرد چلا گیا۔ پھر اس نے وہی کیا جو اس سے کہا گیا تھا۔ پھر وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے دروازہ پر حاضر ہوا۔ دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنینؓ کی

خدمت میں لے گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا۔ مطلب پوچھا۔ اس نے اپنی حاجت بیان کی، تو امیر المومنین نے فوراً پورا کر دیا اور ارشاد فرمایا: "اتنے دنوں میں آج تم نے اپنا مقصد بیان کیا۔ اب جب کبھی تجھ کو کوئی ضرورت ہو تو ہمارے پاس آجاؤ پھر وہ مرد ان کے پاس سے چلا گیا اور عثمان بن حنیفؓ سے ملاقات ہوئی۔ پھر اس نے ان سے کہا، اللہ آپ کو بہترین بدلہ دے۔ امیر المومنینؓ میری ضرورت پر نظر اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے۔ آپ نے ان سے میرے بارے میں عرض کیا تو مقصد پورا ہو گیا۔ عثمان بن حنیفؓ نے کہا: "خدا کی قسم میں نے آج تک تیرے معاملہ میں امیر المومنینؓ سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن میں نے سید عالم ﷺ کو دیکھا کہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا۔ اور نابینائی کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے اس طرح اسے ارشاد فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر یہ دعا کرے۔ خدا کی قسم ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے۔ باتیں کر رہے تھے کہ وہ شخص ہمارے پاس آیا۔ گویا کبھی وہ اندھا ہی نہیں تھا۔

حضرت عثمان بن حنیفؓ کی روایت کے مطابق سرکار دو عالم ﷺ کی بتائی ہوئی دعا کے الفاظ یہ ہیں: اللھم انی اسئلك نبی الرحمة یا محمد اتوجه بك الی رب فی حاجتی هذه لتقضی لی اللھم فشفعه لی

الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ سے جو رحمت کے نبی ہیں اے محمد (ﷺ) میں حضور کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں تا کہ میری حاجت پوری ہو جائے۔ اے اللہ ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

حضرت مولانا محمد علی قاری رحمتہ اللہ علیہ حرز ثمین شرح حصن حصین میں اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:

وفی نسخة بصیغة الفاعل ای لتقضی الحاجة لی والمعنی ان تکون سببا لحصول حاجتی و وصول مرادی فالاسناد مجازی

اور ایک نسخہ میں فاعل کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی آپ میری حاجت کو پوری فرما دیں، معنی یہ ہوگا کہ آپ میری حاجت کے حاصل ہونے اور میری مراد کے پورا ہونے میں وسیلہ بنیں۔ اس لیے اسناد مجازی ہے۔ اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ بندہ مومن انبیائے کرام، اولیائے کرام سے اگر اپنی مقصد براری کے لیے درخواست کرتا ہے تو حقیقی حاجت روا خالق کائنات ہی کو سمجھتا ہے، انھیں تو وسیلہ سمجھتا ہے اور ان کی طرف تکمیل حاجت کی درخواست اسناد مجازی ہی کے طور پر ہوتی ہے۔ حضرت عثمان بن حنیفؓ کی روایت کردہ حدیث سے چند باتیں بخوبی واضح ہوئیں۔

(1) سرور کائنات ﷺ نے اپنے نابینا صحابی کو دعا کی تعلیم دی، جس میں حضور کی ذات اور نام کو وسیلہ بنانا سکھایا۔ کیونکہ توسل امور مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔

(۲) حضور ﷺ نے اپنا نام لے کر پکارنے کی یعنی ندا کرنے کی تعلیم دی وہ بھی غائبانہ کیونکہ یہ جائز اور ہر طرح احسن ہے۔

(۳) نماز اور اس دعاء توسل کی برکت سے مقصد میں کامیابی ہوئی اور

آنکھوں میں روشنی اس طرح ہوگئی گویا وہ شخص کبھی اندھا تھا ہی نہیں۔

(۴) صحابہ کرام نے اس دعا کو صرف اسی نابینا صحابی کے لیے مخصوص نہیں سمجھا، بلکہ سب کے لیے ایک مفید اور قابل قدر نسخہ سمجھا پھر دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تعلیم دی۔

(۵) دوسرے نے بھی عمل کیا اور اسے بھی مقصد میں کامیابی ہوئی اس طرح یہ نسخہ مفیدہ سب کے لیے نعمت عظیمہ ثابت ہوا۔

اولیائے کرام سے توسل: اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے توسل اور استعانت کے متعلق دو حدیثوں کو بہ نظر غائر معائنہ کیجیے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اذا انفتت دابة احدكم بارض فلاة فليناد يا عباد الله احبسوا فان لله تعالى عباد الى الارض يجره" جب تم میں سے کسی شخص کا جانور جنگل میں چھوٹ جائے تو چاہیے کہ اس طرح ندا کرے" اے اللہ کے بندو روک لو" اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے زمین میں ہیں جو اس کو روک لیں گے۔ (ابن انسؓ) (اور بزاز کی روایت میں اعینوا یا عباد اللہ ہے اے خدا کے بندو! مدد کرو)

حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ "حرز ثمین" میں ذکر کی ہوئی حدیث پاک کے ضمن میں توضیح فرماتے ہیں اور امام نووی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ذکر کرتے ہیں۔ امام نووی نے اذکار میں فرمایا۔ ہمارے استادوں میں سے بعض نے جو عالم جلیل تھے اس حدیث پر عمل کیا تو چھوٹا ہوا جانور فوراً رک گیا۔ ایک مرتبہ میرا بھی ایک جانور چھوٹ گیا، لوگ اس کو پکڑنے سے عاجز آگئے کسی کے ہاتھ نہ لگا تو میں نے یہی کلمہ کہا، وہ فوراً رک گیا۔ یہ محض اس سبب سے ہوا کہ میں نے وہ کہا تھا۔ طبرانی نے حضرت عقبہ بن عروان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں)

" جب تم سے کوئی شخص راستہ بھلا دے یا کوئی چیز گم کر دے اور مدد کرنے والے کو چاہے جبکہ وہ ایسی جگہ ہو جہاں اس کا کوئی غمخوار نہ ہو تو کہے، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندے میری مدد کرو، اے اللہ کے بندے میری مدد کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جن کو وہ نہیں دیکھتا"

مشائخ کرام نے اس حدیث پر تجربہ کیا اور اس کو درست اور موافق حدیث پایا۔ پھر اس کے بعد انھوں نے ارشاد فرمایا۔

انه مجرب قرن به النجيح

یہ مجرب ہے اور مقصد میں کامیابی اس کے ساتھ شامل ہے۔

ذکر کی ہوئی حدیثوں میں وہ بندگان خدا جن سے مدد مانگنے اور ضرورت کے وقت پکارنے کا صاف حکم ہے وہ ابدال ہیں، جو اولیائے کرام کی قسم ہے۔ یہی قول زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد ملائکہ یا مسلمان یا کو مومنین جن ہوں۔ بہر کیف و بہر نوع جو بھی ہوں توسل و ندا ثابت ہے اور اس کا انکار صریح نادانی یا حقائق سے چشم پوشی ہے۔

بزرگان دین اولیائے کرام جو عالم ظاہر سے پردہ فرما چکے ہوں، چشم ظاہر میں انھیں مردہ سمجھے تو سمجھے لیکن وہ حقیقت میں

زندہ ہیں۔ ان سے مصیبتوں میں مدد مانگنا اور حصول مقصد میں وسیلہ بنانا اسی طرح مفید ہے جس طرح ان کی حیات ظاہری میں مفید ہے۔ علمائے متقدمین و اولیائے کاملین نے انھیں وسیلہ بنا کر مقاصد میں کامیابی حاصل کی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے: "نسبت مابہ جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ می رسد، وفقیر را نیازی خاص بہ آنجناب ثابت است، در وقت عروض عارضہ جسمانی توجہ بہ آن حضرت واقع میشود وسبب حصول شفا می گردد"

"ہماری نسبت جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف پہنچتی ہے اور فقیر کو آں جناب کے ساتھ ایک خاص تعلق ثابت ہے۔ جسمانی عارضہ میں سے کسی میں مبتلا ہونے کے وقت آں حضرت کے ساتھ توجیہ واقع ہوتی ہے اور شفا کے حاصل ہونے کا سبب ہوئی ہے۔"

علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمتہ اللہ علیہ الخیرات الحسان فی مناقب الامام اعظم ابی حنیفہ النعمان میں فرماتے ہیں (میں صرف ترجمہ ہی پر اکتفا کرتا ہوں)

"ہمیشہ سے علمائے کرام اور ضرورت مند حضرات امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور اپنی حاجت کے پورا ہونے میں ان کے نزدیک وسیلہ طلب کرتے ہیں اور اپنی مرادیں پاتے ہیں۔ انھیں علماء میں سے امام شافعی رضی اللہ عنہ ہیں جو فرماتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تبرک کرتا ہوں۔ ان کی قبر پر جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں تو جلد ہی مقصد پورا ہو جاتا ہے۔"

سوال حاجت سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا نہایت مناسب اور بہتر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: استعینوا بالصبر والصلوۃ (صبر و نماز کے ساتھ مدد مانگو) اس لیے بزرگان دین کا اس پر عمل اور ان کا یہی دستور رہا۔

"کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ قضائے حاجات کے لیے ختم خواجگان چشت قدست اسرارہم کی ترکیب بتانے کے بعد اس کے آخر میں فرماتے ہیں:

"دس مرتبہ درود پڑھ کر ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر عموماً خواجگان چشت کے نام سے فاتحہ پڑھیں اور اپنی حاجت کے لیے خدا تعالیٰ سے سوال کریں اسی طرح ہر روز پڑھتے رہیں۔ انشاء اللہ چند ہی دنوں میں مقصود حاصل ہو جائے گا۔" (ترجمہ)

مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں۔ دعائے حزب البحر کو صبح و شام کا وظیفہ بنانا چاہیے اور حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے ختم کو ہر دن مشکلوں کے حل کرنے کے لیے پڑھنا چاہیے۔" (ترجمہ) ان دو بزرگوں کے ارشادات پر غور کیا جائے ظاہر ہے یہ ارشادات و احکامات تفریح طبع کے لیے ہرگز نہیں۔ بلکہ حصول مقاصد اور دفع مصائب کے لیے ہیں، کوئی بھی ذی عقل انسان وسیلوں کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کرسکتا۔

(ماخوذ: ماہنامہ منادی نئی دہلی، جلد 80-شمارہ 2)

☆☆☆☆☆☆

آداب سماع

از: فقیر حامد الدین احمد حسینی الحسنی القادری

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً

ترجمہ یوم تاسع از عشرہ کاملہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین المتخلق باخلاق اللہ والمتصف باوصاف اللہ فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی چشتی قدس سرہٗ العزیز المسمی بہ آداب سماع سنہ ۱۳۰۴ ہجری مؤلفہ و مرتبہ سیدی سندی مخدوم و مکرم حضرت صاحبزادہ سید محمد قاسم علی کلیمی از احفاد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز۔

بمطبع احمدی دہلی باہتمام احمد حسن خاں طبع گردید

تقریظ از نتایج فکر جناب فضیلت مآب سید سندی حضرت مولانا و بالفضل اولانا حضرت سید محمد حامد الدین احمد قادری الجیلانی ادام اللہ تعالیٰ افضالہم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لواہب العطایا: والنعمت لشافع البرایا: المدح لا الہ الہدایا: والوصف لصحبہ السجایا۔ اللھم صلی علی سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد و بارک وسلم۔ درین اوان ہدایت توامان رسالہ آداب السماع رقمزدہ کلک ہدایت سلک خلیل جلیل وجلیل جمیل خلاصہ دودمان مصطفوی سلالہ خاندان مرتضوی سید محمد قاسم علی کلیمی سجادہ نشین وسادۂ حضرت شیخ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی رحمتہ اللہ علیہ نظر آمد اگرچہ این بی بضاعت را سرمایہ تفہم و مادہ ترقیم مفقود است لاکن مضامین با تمکینش برآن آوردکہ بلا قصد وارادہ دراہم حرفی چند از خزینۃ ستہ بسفینۃ قرطاس جلوہ کنان شوند اگر این تحریر رامحی سنت پیران عظام خوانم رواست واگر قاطع بدعت عوام کالانعام نویسم بجاست۔ خدائے رحیم بطفیل حبیب کریم خود جامع راشاد وآباد دارد وتحریرش رابزیور قبولیت مزین فرماید وناظرین راتوفیق عمل ارزانی فرماید واز قدح ونکتہ چینی اش بار ذارد کہ جامع اش درحقیقت ازخود چیزے نترا، شیدہ است انچہ نگاشتہ است ہمہ از ماحصل قواعد و ارشادات پیر اعظم است پس ردّش نہ ردّ جامع است بلکہ انحراف از مرشد اکرم است اللھم احفظنا اللہ بس ماسوے ہوس۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد بے حد خاص اُس خالق کرسزاوار ہے کہ جس نے جملہ، کُن فیکون سے گروہ گروہ مخلوقات کو پیدا کرکے ہر ایک کو کل خرب بمالدیہم فرحون سے مسرور کیا اور ہر ایک اہل ایمان کو باایہاالذین آمنوا، اطیعواللہ واطیعوالرسول واولیٰ الامر منکم پر مامور فرمایا فاحمد واوشکر واوتجسواخرب الضلحین۔ اور نعت بے حد خاص اس اشرف الرسل کو لایق ہے کہ جس نے اپنی تمام عمر عزیز کو ہدایت خلق میں حرف کرکے حضرات اہل بیت اطہار علیہم السلام کے حق میں الاان مثل اہل بیتی فیکم مثل سفینہ نوحٍ من رکبہا نجی ومن تخلف عنہا ہلک اور جناب صحابائے ہدیٰ رضی اللہ تعالیٰ ورضوانہ اجمعین کے بارہ میں۔ اصحابی کالنجوم بایہم اقدیتم اہدیتم اور علماء اراہ نما کے مقدمہ میں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فرما کر امتیوں کو

مشکور فرمایا۔ فاتبعوا وصلوا وسلموا علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین۔ امابعد حمد وصلوٰۃ کے یہ عاجز تراب اقدام ہر درویش وولی محمد قاسم علی کلیمی غفرلہ ذنبہ خدمات اہل اللہ میں عرض پیرا ہے کہ اس زمانہ پرفتن اور روزگار سراپا محن میں بسبب بعد زمانہ رسالت وقرب اوانِ قیامت آئینہ اسلام غرّا پر ہر طرف سے باران زنگ حوادث متقاطر ہے۔ اور علیٰ الخصوص طائفہ صوفیہ باصفا تیر باران طعن واعتراض اکثر اہل زمانہ کا نشانہ وآماج گاہ ہے اور بعض صاحبان نے جو اپنے کو اس قوم سے شمار کراتے ہیں بخلاف اپنے راہبران ومرشدان کے افراط وتفریط کو دخل دے کر اپنے ہمراہ تمام قوم کو بلکہ بزرگان ماضیہ کو بھی مطعون کرایا ہے اور خاص کر طریقہ مروجہ حال مجالس سماع کا طریقہ زمانہ ماضیہ سے بالکل خلاف ہوگیا ہے اور زیادہ تر یہ ہی سبب طعن اور موجب ریش خندکہہ ومہہ ہوتا ہے چنانچہ قبل ازیں بارہا اس عاجز کے دل میں آیا کہ خدمات حضرتِ صوفیہ میں گذارش کرے کہ اس طرف توجہہ فرما کر زبان اہل طعن کو مقفل فرمایا جاوے مگر بہ پاس ادب ہمیشہ قاصر رہا لیکن اب کی دفعہ جو عرس حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی قدس سرہٗ العزیز میں حسبِ دستور فیض اندوز ہوا اور مجلس سماع اور طریقہ وجد بعض حضراتِ مذکور دیکھا تو نہایت قلق ہوا کیونکہ ان بناوٹی حالیوں کے وجد وحال کا انداز قابل افسوس تھا اور بجائے اس کے کہ عوام پر حال کا اثر ہو منکرین کو مہیج خندہ اور عوام کو منبتج تکلیف اور خواص کو مایۂ ندم تھا اور خصوصاً بعض حضرات کا حال تو ایسا پرملال تھا جس کو بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے غرض کہ یہہ عاجز ایسی تاسف وتحیر میں تھا کہ بامداد روح پاک حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ العزیز ارادہ ہوا کہ ضرور کچھ نہ کچھ اس بارے میں عرض کرنا چاہئے بلفوائے کلام حضرت حافظ شیراز رحمتہ اللہ علیہ شعر

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است وبس
در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید

ترجمہ: اے حافظ تمہارا فریضہ دعا کرنا ہے۔ اور بس اس فکر میں مت رہو کہ وہ سنی گئی یا نہیں سنی گئی۔

خواہ کوئی مانے یا نہ مانے اپنا درد دل کہ غالباً فلاح دارین پر مبنی ہوگا ظاہر کیجئے۔ ماہرانِ تصوف پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہمارا طریقہ سماع اکابر کے طریقۂ سماع سے بالکل برخلاف ہے۔ نہ وہ منزامیر میں نہ وہ سماع نہ وہ شرائط ہیں نہ وہ آداب نہ وہ حال ووجد ہے نہ وہ اثر خط نفسانی ومتابعت نفس امارہ کے لئے نئے نئے ایجاد کرلئے ہیں اگر کسی منصف مزاج نے کبھی کچھ سوال کیا تو کہہ دیا کہ ہم اپنے پیروں کی سنت ادا کرتے ہیں۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم عزیز وبھلا پیران عظام پر کیوں اتہام لیتے ہو اور ان کا نام نامی لے کر عوام کو کیوں اُن سے بے اعتقاد کرتے ہو دیکھو عشرۂ کاملہ کی نویں فصل میں حضرت شیخ العالمین شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمتہ اللہ علیہ جو تمہارے پیر مستند ہیں کیا فرماتے ہیں اور اُن کا طریقہ کیا تھا اور کیسا مؤثر اور تمہارا وتیرہ کیا ہے اور کیسا بے اثر اگر تم افراط وتفریط کو بالائے طاق رکھ کر بغور انصاف دیکھو گے تو بیشک طریقہ ماضی وحال میں بعد المشرقین پاؤ گے۔ یہاں حضرت شیخ العالمین قدس سرہٗ کے رسالہ عشرۂ کاملہ کا بھی (جس کا ذکر ابھی

ہو چکا ہے) اگر مختصر سا بیان اس لئے کہ لوگ اس کی پوری پوری کیفیت سے واقف ہو جائیں کیا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔ اس رسالہ کو حضرت نے ۱۰۹۲ ہجری میں رمضان المبارک کے عشرۂ آخر میں حالت اعتکاف میں تالیف فرمایا ہے اور ان دس دنوں میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف کیا اُسے اس میں نہایت اختصار کے ساتھ قلمبند فرما کر اس طرح تقسیم کیا ہے۔ پہلا دن معرفت کے بیان میں ۔ دوسرا توحید ذات باری تعالیٰ و تقدس میں ۔ تیسرا اسماو صفات عزو اسمہ میں اور اس کے ضمن میں بعض شبہات کو بھی دور کیا ہے۔ چوتھا روح کے بیان میں ۔ پانچواں محبت کے بیان میں ۔ چھٹا ارکان خمسہ میں ۔ ساتواں ان برائیوں سے پاک وصاف ہونے میں ۔ آٹھواں آراستگی فضائل میں ۔ نواں سماع کے بیان میں ۔ دسواں نیکی کے طرف سبقت کرنے میں چونکہ اس رسالہ کی تحریر میں حضرت نے اپنے دس دن اعتکاف کے پورے کئے تھے لہٰذا اس رسالہ کا نام عشرۂ کاملہ رکھا۔ اب میں حضراتِ صوفیہ صافیہ کی خدمت میں عام طور سے اور حضرت صاحبزادگان آستانہا کی خدمت میں خاص طور سے بصد انکسار دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ آپ صاحب اپنے مریدین و معتقدین و حاضرین کو کس وجہ سے عرسوں میں طریقہ متقدمین پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے اور اُن کو اُن کی حالت پر کیوں چھوڑ رکھا ہے ۔ اگر آپ صاحبان ہی ہمیں ادب نہ سکھائیں گے تو پھر وہ کونسا ایسا ہمارا شفیق ہے جو اس مذلت سے ہمیں بچائے گا باعث افسوس سخت یہ امر ہے کہ عوام مہذب تو ایسے مصنوعی حال و وجد والوں پر منھ پھیر کر مسکراتی ہیں اور قوال درد رد ہے ۔ ایسے حال کا مال یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ بہ توفیق سبحانہ تعالیٰ پیرانِ عظام نے بجذب حقیقی منکرین کو صراط مستقیم ارادات پر کھینچا حضرات موصوف کی اثر سے طالبان راہ ہدایت والوں سے مادۂ طلب بھی ساقط ہوا جاتا ہے اور اس فرقہ ہی سے تنفر پیدا ہوتا جاتا ہے۔ یہ تعمق نظر ملاحظہ ہو کہ ہدایت کے عوض ضلالت کس کے سبب ہوئی اور عزت کے بدلے ذلت کس کو حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے ۔ شعر

چو از قومے یکے بیدانشی کرد

نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

(ترجمہ: قوم کے کسی ایک فرد کی بے عقلی قوم کے ہر چھوٹے بڑے کو ملیا میٹ کر دیتی ہے ۔)

بدنام کنندہ ان کو نامی چند انہیں کا مصداق ہے ۔ ملاحظہ ہو کہ نہایت غور کی جگہ اور بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ایک زمانہ تو ایسا تھا کہ محب نبی مولانا محمد فخر الدین رحمتہ اللہ علیہ اندرون آستانہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی قدس سرہٗ بہ یاس ادب تشریف نہیں لے جاتے تھے اور اب بعض بعض صاحب ارشاد حضور کے بست دری سے پشت لگا کر چار زانوں بیٹھتے ہیں اور بجائے مرقبہ لیٹ کر مریدین سے یکّی چپّی کرواتے ہیں

بہ بین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا (دیکھو تو سہی، راہ کا فرق کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے)

از خدا جوئیم توفیق ادب

بے ادب محروم شد از فضل رب (ہم خدا سے ادب کو توفیق مانگتے

ہیں، کیونکہ بے ادب اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور نفل سے محروم رہتا ہے۔مولانا رومؒ)

باقی رہا علم ظاہری اس سے تو اب اکثر فقرا کو اتنا بھی مذاق نہیں کہ اگر کسی شیخ کا کوئی رسالہ اردو میں ترجمہ کیا ہوا ان کو لا کر دے تو اُسے پڑھ سکیں اور نفس امارہ بھلا اتنی اجازت کب دیتا ہے کہ مریدین ہی سے کہیں کہ تم پڑھ کر سمجھا دو۔ ہیہات ہیہات کیا انقلاب ہے اور کیسا وقت آگیا ہے ایک وہ زمانہ تھا کہ پیران عظام عربی زبان میں بلا تامل کتابیں تصنیف فرماتے تھے اور ایک یہ وقت ہے کہ اُن کا اردو ترجمہ پڑھنا بھی مشکل مگر ماشاء اللہ پیر ہیں اگرچہ ایسے صاحبوں کو میرا کلام بفحوائے الحق مرّ زہر سے زیادہ تلخ معلوم ہوگا مگر جس وقت بہ انصاف اس پر غور فرمائینگے تو بلاشبہ شہد سے زیادہ شیرینی بخشے گا"گرچہ تلخ است ولیکن برشیرین دارد"اور عام طالبوں کو یہ بات بخوبی واضح رہے کہ کس وناکس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر دھوکے اور دنیا اور آخرت کے ٹوٹے میں نہ پڑیں جب تک کہ وہ علامتیں جو کملا نے اپنی کتابوں میں پیر کامل کی لکھی ہیں نہ دیکھ لیں تب تک بیعت نہ کریں اس باب میں حضرت مولانائے روم قدس سرہٗ کیا خوب فرما گئے ہیں

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

(ترجمہ: چونکہ بہت سے شیطان انسانی چہرے کے ہیں، اس لیے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں پکڑانا چاہئے)

چونکہ حضرت امام حجت الاسلام ابو حامد امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیفات میں حدیث شریف طلب العلم فریضتہ علیٰ کل مسلم ومسلمتہ کے بیان میں تحریر فرمایا ہے کہ حصولِ علم اُس شئے کا کہ جس شئے میں آدمی مشغول ہونا چاہئے فرض ہے اور یہاں بیان سماع ووجد وغیرہ کا ہے لہٰذا اب میں رسالہ"عشرۃ کاملہ" مذکور کی یوم تاسع کا ترجمہ (اس سبب سے کہ اکثر اہم سماع اسی خاندان کے خوان کے ریزہ چیں ہیں اور یہ عاجزی ہی حضرت کے ادنیٰ غلامان میں سے ہے) کر کے پیش کش ناظرین کرتا ہوں اور اس قدر عرض کرتا ہوں کہ جن صاحبان کو شوق وطلب سماع وغیرہ ہے اُن کو حسب فرسودہ امام حجت الاسلام پر عمل کرنا فرض ہے۔ وباللہ التوفیق اللھم ارحم امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم واہدیھم الیٰ صراط المستقیم بحرمت طٰہٰ ویٰسین آمین یارب العالمین۔

نواں دن سماع اور وجد اور غلبہ وغیرہ وغیرہ کی بیان میں

جاننا چاہئے کہ بیشک اللہ تعالیٰ بلند وبرتر نے دلوں میں شوق اور قلبوں میں عشق امانت رکھا ہے اور پروردگار عالم کی عادت یہ ہے کہ وہ ان اچھی اچھی آوازوں سے جن سے روحوں کو مناسبت ہوتی ہے شوق وعشق کو زیادہ بڑھاتا اور حرکت دیتا اور ظاہر کرتا ہے۔ پس اب یہ عشق تین حال سے خالی نہیں ۱۔ یا مستحب ہوگا۔ ۲۔ یا مباح۔ ۳۔ یا حرام۔ یعنی اگر خالق کا عشق ہے تو مستحب بلکہ واجب ہے۔ یا مخلوق میں سے اُن کا عشق ہے جن کی طرف بنظر شہوت دیکھنا درست ہے جیسے بیوی، لونڈی تو بھی مباح ہے یا اُن کا ہے جن کی طرف شہوۃ سے دیکھنا بموجب شرع شریف حرام ہے مثلاً علاوہ بیوی۔ لونڈی کے اور عورت کو یا مرد کو تو حرام ہے۔

لیکن بہ حکم مذکورہ بالا اُس وقت ہے جبکہ سماع سامع کی خواہش نفسانی کو برانگیختہ کرے اور جب اس سے اطمینان ہوتو پھر کیا ڈر ہے اور جو بطور خوشی وتفریح سنتا ہے اُس کے لئے یہی حلال ہے اور جوان سب صورتوں سے خالی ہوتو اُس کے لئے مکروہ تنزیہی ہے۔ کیونکہ اُس کے حق میں گویا وہ ایک کھیل ہے اور جہاں نج وارڈ ہپری یا دائرہ اور ڈھول۔ شاہین یا لکڑی بجانا وغیرہ وغیرہ علاوہ مزامیر اور سہ تار اور دوتارہ و یکتارہ اور ڈھولک کی سب جائز ہیں۔ اب یہاں ذرہ اس بات کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سعادت جو سماع میں حاصل ہوتی ہے وہ تین قسم ہے۔ انوار۔ احوال۔ آثار۔ اوران میں بھی ہر ایک خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی تین عالموں سے جوکہ ملکوت، جبروت اور ملک ہیں پیدا ہوتے ہیں اور ارواح اور قلوب اور اعضاء پر نازل ووارد ہوتی ہیں پس نور عالم ملکوت سے ارواح پر اور احوال عالم جبروت سے دلوں پر اور آثار عالم ملک سے ہاتھ پیروں پر واقع ہوتے ہیں۔ جب یہ بات طے ہوگئی تو اب اس بات کو ذہن نشین کرنا چاہئے کہ سماع یا ہاجم ہوتا ہے یعنی اچانک ودفعتہ بلاقصد وارادہ انبوہ کرتا ہے یا متکلف یعنی جسے سامع قصداً آرزو سے پیدا کرے اور سماع ہاجم دل کو ایسا برانگیختہ و مشتعل کرتا ہے کہ اُس کے بیان سے زبان قاصر ہے اور سماع متکلف اُسے کہتے ہیں کہ جب سامع راگ سنے تو وہ اُس کے اپنے محبوب یا پیر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خدا تعالیٰ کی طرف لیجائے۔ اور یہ واضح ہو کہ سماع کبھی کشف کا بھی باعث ہوا کرتا ہے کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ حالت کا بدل دینیوالا اور واقف کرنے والا اور صفائی بخش ہے۔

آداب سماع

سماع کے آداب عام شہرت کے اعتبار تین ہیں۔ اول تو یہ کہ نماز اور کھانے پینے اور کام کاج وغیرہ کا وقت نہ ہو۔ دوسرے مکان شارع عام یا مکروہ آواز کی جگہ نہ ہو۔ اور اُس مکان میں کوئی ایسا سبب بھی کہ اُس کی طرف دل لگی جیسے نقش ونگار۔ بیل و بوٹا وغیرہ نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ وہاں کوئی منکر سماع جو ظاہر میں زاہد اور باطن میں متکبر ومغرور ہو یا جان جان کر جھوٹ موٹ حال کھیلنے والا یا دیکھاوے کے لئے وجد کرنیوالا ہو موجود نہ ہو اور میرے نزدیک راضی ہو اللہ تعالیٰ مجھ سے سماع میں شرائط بالا کے ساتھ مفصلہ ذیل سات حقوں کی اور بھی رعایت ضرور چاہئے۔ اول یہ کہ حاضرین مجلس کل کے کل جب تک کہ سماع ہوتا رہے باوضو رہے۔ دوسرے سورہ فاتحہ اور کوئی اور سورہ اُس کے ساتھ ملا کر پڑھیں اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجیں۔ تیسرے کوئی چار زانوں یعنی التی پالتی مار کر نہ بیٹھے اور نہ چت لیٹے بلکہ دوزانوں جس طرح نماز میں بیٹھتے ہیں اس طرح بیٹھیں۔ چوتھے قوال معتاد کے لالچی نہ ہوں ہاں انھیں تبرکاً و احساناً کچھ دیا جائے۔ پانچواں کوئی شیخ بات نہ کرے اور نہ قصداً ہنسے (اگر بے اختیار ہنسی آئے تو وہ درست ہے) اور گانے کے وقت سر جھکائے ہوئے جو کچھ قوال کہتا ہو اُسے سنتا رہے ادھر اُدھر کم دیکھے اور قلب کی طرف متوجہ رہے کھنگارنے اور انگڑائی لینے سے پرہیز کرے اُس حالت میں اگر اس پر وجد غالب آجائے اور بے اختیار حرکت کرے تو معذور

ہے اور باوجود اسکے بھی اختیار کی باگ ہاتھ سے نہ لے اور سکون کی طرف مراجعت کرے (یعنی ضبط کرے اور ہلے جلے نہیں) اور اس کا مفصل بیان یہ ہے کہ اختیار وشعور ایسے دو مفہوم ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ اور غیر ہیں پس اس کے چار صورتیں ہوں گی دونوں حالتوں کا عدم یا دونوں کا وجود۔ یا اختیار کا وجود اور شعور کا عدم۔ یا اختیار کا عدم اور شعور کا وجود۔ اور چوتھی قسم کی حالت سماع میں سب سے اچھی ہے اور پہلی صورت سے اولیٰ اب باقی رہیں دوسری۔ اور تیسری وہ متروک ہیں اور اولویت کا ثبوت یہ ہے کہ صاحب وجد کی حالت غصہ والے کی سی ہوتی ہے جیسا وہ اپنے افعال اور اُن کے اثروں کو سمجھتا ہے اسی طرح یہ بھی۔ کیونکہ مثلاً جب کسی کو بیوی پر از حد غصہ آتا ہے تو وہ اسے طلاق دیتا ہے یا اس کے منہ پر تھپڑ مارتا ہے یا مارتا پیٹتا ہے یا اُسے قتل کرتا ہے۔ اور اس صورت میں وہ جانتا ہے کہ طلاق سے باہم جدائی اور علیحدگی ہو جاتی ہے اور تھپڑ کی تکلیف مار دہاڑ سے کم ہوتی ہے اور اسی طرح مار کوٹائی قتل سے کم ہے۔ لیکن وہ ان فعلوں کے سرزد ہونے میں بے قابو ہوتا ہے۔ یہی حال وجد والے کا بھی سمجھو کہ وہ اپنی حرکات وسکنات میں بے بس ہوتا ہے باوجود یہ کہ اس کو قوال کے کلام سمجھتے اور اپنے کپڑے لتّے سمیٹنے اور دنیا کا ہوش ہوتا ہے۔ اور بعضوں نے جو بھی کہا ہے کہ اختیار نہ ہونا بھی تو شعور ہی ہے یہ کچھ نہیں ہے۔ اور پہلی صورت کی مثال شرابی کی سی ہے کہ وہ بے اختیار بھی ہوتا ہے اور بے خبر بھی اور لوگوں کو سیہ دل اور کور باطن اور سخت کہنے کے خوف سے قصداً وجد نہ کرے اور جب اپنے دل کو دیکھے کہ گانے میں دل نہیں لگتا تو فوراً مجلس کے باہر چلا جائے اور اپنے وقت عزیز کا خون ناحق نہ کرے کیونکہ جو کچھ کہ یہ بعد اس کے سنے گا وہ حرام ہے۔ چھٹے صوفی پر جب وجد کا غلبہ ہو اور یہ سبقت کرلے اور کھڑا ہو تو کل حاضرین مجلس اس کے ساتھ تعظیم و بزرگی کے لئے کھڑے ہوں اور ان میں سے بعض اس طرح اس کی نگرانی نہ کریں کہ اس کے ہاتھ پیروں کو پکڑیں بلکہ ڈھیلا چھوڑ دیں مگر اتنا ضرور خیال رکھیں کہ اس کے کہیں چوٹ نہ آجائے مگر تسکین ہو تو مجلس میں ایک طرف لٹا دیا جائے اور خیال رکھیں کہ اس کا بدن خلاف شرع نہ کھلنے پائے اور اگر وہ اس حالت میں کسی ایسی ہیت یا رباعی یا مصرع کی تکرار کے لئے کہے جو چلانے والے حاضرین کو مرغوب نہ ہو تو اُس کو اِن پر ترجیح دی جائے۔ اور بہتر یہ ہے کہ قوال جس مصرع وہیت پر صوفی کے دل کو حرکت اور شوق وشورش ہوتی ہو اُس کی تکرار واجب جانے اور برخلاف حکم کرنے والے کی نہ سنے۔ ساتویں جب مجلس ختم ہو تو الحمد کسی اور سورۃ پڑھ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بہت درود بھیجے اور جو کوئی ان آداب وحقوق کو ترک کرے وہ واہی اور بدعتی ہے اور اس کے نفع سے گناہ کہیں زیادہ ہوگا۔ اور اثبات سماع میں مشائخ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بہت کثرت سے عبارتیں اور اشارے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا ہے کہ سماع جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہو وہ دل کو خدا کی طرف برانگیختہ اور متوجہ کرتا ہے پس جو شخص خدا کی طرف کان لگانے والا اور دھیان دھرنے والا ہے وہ محقق ہے۔ اور جو نفس کی سننے والا ہے

وہ زندیق ہے۔اور حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ سماع ظاہر میں فتنہ ہے اور باطن میں عبرت اور جو اشارہ کو سمجھ سکتا ہے اُس کو وہ سماع عبرۃ حلال ہے۔ورنہ اس نے بلا میں پڑیں گے واسطہ فتنہ کو بلایا ہے۔اور ابوعلی رودباریؒ نے اُس شخص کو جو آپ سے سماع کی نسبت دریافت کرتا تھا یہ جواب دیا تھا کہ سماع نرم اور سراسر خالص کردینے والا ہے اور مشایخ میں سے کسی کا مقولہ ہے کہ سماع پوشیدہ بھیدوں سے آگاہ کردیتا ہے اور ابوالفضلؒ فرماتے ہیں کہ سماع مضطر اور بیقراروں کے لئے موجب ترقی ہے پس جو واصل باللہ ہوگا وہ اس سے مستغنی ہے اور حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے

وجد سے واجد کو راحت ہوتی ہے
پر وجود حق کے آگے ہے وہ گم
مجھ پہ بھی طاری ہوا کرتا تھا وہ
ہے مگر اب اُس سے مانع وہ بکم

اور بلا شبہ ہم سے یہ بات متواتر بیان کی گئی ہے کہ تحقیق بعض بعض عارفین کبار جیسے نوریؒ اور دراجؒ اور اور نے سماع میں انتقال کیا ہے پس اگر سماع غیر کاملین ہی کے واسطہ ہوتا تو ان حضراتؒ کی بابت کیا خیال کرتے ہو۔ اور حضرت سید محمد گیسو درازؒ نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے کہ منتہی واصل جسے سماع حرکت نہیں دیتا وہ وہی ہے جسے منتہی ہونے کی آفت نے آن دبوچا ہے اور وہ یہ منصوبہ باندھ کے کہ میں تو منتہی ہوں طلب سے باز رہا ہے اس لئے کہ جب م مطلوب اور اُس کی تجلیات غیر متناہی ہیں تو ظاہر ہے کہ غیر متناہی کی محبت بھی متناہی ہے ہوگی پس انتہا کہاں ہوسکتی ہے۔ابو یزیدؒ نے فرمایا کہ ہم نے شراب وحدت دیر تک گھونٹ گھونٹ کرکے پی نہ تو شراب ہی تھوڑی ہوئی اور نہ ہم ہی سیراب ہوئے پس معلوم ہوا کہ اس کی انتہا ہی نہیں ہے۔(فتدبر) اور حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ فقیر کے اوپر تین موقعوں پر رحمت نازل ہوتی ہے اول کھانے کے وقت کہ وہ بغیر حاجت نہیں کھاتا۔ دوسرے کلام کرنے کے وقت کہ وہ بغیر ضرورت نہیں بولتا۔ تیسرے سماع میں اس واسطہ کہ وہ بے وجد نہیں سنتا۔اور ابوعبیداللہؒ نساجی نے فرمایا کہ سماع وہ ہے جو فکر یا عبرت کے لئے اختیار کیا جائے اور سوائے اس کے فتنہ ہے اور میرے نزدیک سماع نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدہ۔ہی یعنی سماع خدا تعالیٰ کی وہ سلگائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ آتی ہے۔اور یقین کرنا چاہئے کہ ایسا کوئی نہیں ہے جس میں اُس کی آگ کی تاثیر روشن نہ کی گئی ہو۔پس جس میں کھوٹ ہوگا تو وہ اس کے شعلے سے کھرا ہوجائے گا۔اور جو کھرا ہے اُس میں جلنے سے اور زیادہ لطافت ہوجائے گی۔

وجد اور وجود کا بیان

مشائخ رضوان اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وجد بمعنی اندوہ وغم ہے اور وجود بمعنی پانا اور یہ دونوں ایک ایسی دو حالتیں ہیں جو سماع سے پیدا ہوتی ہیں پس بعض کا حصہ اس کے کرب یعنی درد وغم ہے اور بعض کا خوشی وطرف۔اب پہلی صورت تو معدوم ہے باقی رہی دوسری وہ البتہ پائی جاتی ہے۔اور اس سے طالب کے صفات متغیر ہوتے ہیں نہ مطلوب کے کیونکہ مطلوب میں تغیر ہو ہی نہیں سکتا بس اس کی غایت یہ ہے کہ طالب و مطلوب

دونوں میں ساری ہو اور انتہا اس کی یہ ہے کہ محبوب سے محب کی طرف ہو تو افضل ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وجد قلب کو درد پہنچانے کا نام ہے عام ہے کہ فرحت وخوشی سے ہو یا رنج وسختی سے لیس اول صورت میں تو صاحب وجد کو مشاہدہ کے وقت سبب حجاب منکشف ہونے کی سکون ہوتا ہے اور دوسری صورت میں شوق کے جوش سے در مقصود تک نہ پہنچنے کی وجہ سے حرکت۔ اور یہاں اس بات کا جاننا بھی مناسب ہے کہ علم کا غلبہ مرتبہ اور درجہ میں وجد سے اعلیٰ اور بلند ہے پس وجد جس وقت صاحب وجد پر غلبہ کرتا ہے تو خطاب شرعی جو ثواب و عذاب کا مدار ہے۔ اُٹھ جاتا ہے۔ پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس شخص سے احکام شرع کے ادا کا مواخذہ نہ ہو مرتبہ میں کم ہے اُس شخص سے کہ جس پر علم یعنی شور وآگاہی کا تسلط ہو۔ پس وہ مع اس وجد کی احکام شرع کی پابندی سے مشرف رہے گا اور اوامر اور نواہی کے زیور سے بھی آراستہ و پیراستہ ہوگا اور اس میں اور اُس میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

تواجد کا بیان

قصداً وجد کرنا تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اُس کے شواہد دل میں نمایاں ہوں اور آرزوئیں حاصل ہوں اور تمنائیں برآئیں اور عارفوں کے برابر اپنا مرتبہ ہم چشموں پر ظاہر ہو یہ بیشک قطعاً حرام ہے اور خالص خطرہ ہے اور بعض مشائخ کے نزدیک تو وجو اُس چیز کی ظاہر کرنے کو کہتے ہیں جو باطن میں حاصل ہو پس وجد اس پر قوی ہو جائے اور جمار ہے یعنی ضبط کرے وہ تسکین پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تقشعر جلود الذین یخشون ربہم ثم تلین جلودہم وقلوبہم الیٰ ذکر اللہ یعنی بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر اُن لوگوں کے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں پھر اُن کے چمڑے اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔ ہم نے اس مقام کو اپنے ایک خط میں جو مولوی عبدالرشید کو لکھا تھا بہت طوالت وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے یہ مختصر اس سے زیادہ بیان کی طاقت نہیں رکھتا۔

غلبہ کا بیان

جس سے سبب کا ملاحظہ اور ادب کی رعایت نہیں ہوتی اُس سے ظہور میں آتا ہے اور وہ بسا اوقات اِسی طرف چلا جاتا ہے کہ جو اس کی حالت سے واقف نہیں ہوتا وہ اس کا انکار کر بیٹھتا ہے اور جب صاحب غلبہ کو تسکین ہوتی ہے تو غلبہ اُسے اُسی کی حالت پر پھیر لاتا ہے اور اکثر اس کا منشا خوف ماہیت یا جلال یا حیا ہوتی ہے۔

رقص کا بیان

پھرنا اور گرد پھرنا اور اشاروں اور گردن سمیت ہاتھ ہلانے اور تال وسم وغیر کے وقت راگ کے قاعدوں کے مطابق پیروں کا اُٹھانا اور جنبش دینا اس کی شریعت اور طریقت میں کہیں کچھ اصل نہیں ہے مگر البتہ غلبہ کے وقت دل کو حرکت اور جنبش اور ہاتھ پیروں کو بیقراری واضطراری ہوتی ہے اور اسے اصطلاح میں رقص نہیں کہتے اور جو اسے رقص کہے اُس کو چاہئے کہ وہ اپنا گھر لہو میں بنالے۔

وَلوَلہ کا بیان

جس کی طرف شارع نے شہوت کی نظر سے دیکھنا حرام کیا

اُس کے حسن کو دیکھنا جیسے غیر عورتیں اور مرد لڑکے بھی بالا اتفاق ممنوع ہے اور یہ جو مشائخ سے کبھی ایسا وقوع میں آیا ہے تو اسی سبب ان پر طعن کیا گیا ہے اور اس باب میں بہت سے حکایات جو مخفی نہیں مشہور ہیں۔ اور میرے نزدیک راضی ہو اللہ تعالیٰ مجھے جن مشائخ ؒ سے ایسا سرزد ہوا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا ابتدا میں ہوگا یا انتہا میں اور ہر ایک کی ایک وجہ ہے اول کی وجہ تو یہ ہے کہ مرشد طبیب حاذق کی مانند ہوتا ہے جو چیز مرید کے حق میں نافع ہوتی ہے وہی اُس کے واسطے تجویز کرتا ہے اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ محبت ایک معنوی امر ہے پس اس سبب سے پیر کامل پہلے محبوب کی لذت دریافت کرنے کی طرف اسے لگاتا ہے کیونکہ وہ امور جو جو اس ظاہر سے متعلق ہیں ظہور و اشاعت میں نسبت بھی اُن کاموں کے جو باطن سے علاقہ رکھتے ہیں بہت زیادہ ہیں اور چونکہ اُسے سبحانہ تعالیٰ دریافت ہونے سے بلند ہے بحکم ولایدرکہ الابصار وہو اللطیف الخبیر یعنی وہ حکم کرتا ہے اور اُسے آنکھیں نہیں دیکھیں اور وہی مہربان اور خبردار ہے۔ لہٰذا اگر امیدواروں کے دل اُس کی محبت کی تاثیر باوجود اُن کے کثافتوں اور ہلاکتوں کے جو ان میں موجود ہیں حاصل کریں تو بسبب مبدا اول سے بھی دور ہونے کے وہ آلائشیں اُس سے روکیں گے اور اس سے دور بھاگنے کی مددگار ہوں گے اس لئے مرشد برحق پہلے عاشق وشیفتہ ہونے کا اسے حکم دیتا ہے اگرچہ یہ امر اس کے اختیار تو نہیں مگر بیشک تقلید بھی حق کی مشابہت کی طرف بھی کھنچتی ہے پس اس سے اس کو یہ بات حاصل ہوجاتی ہے کہ میں ایک عاجز اور فروتن اور ذلیل ومتواضع ہوں اور غرور ومتکبر ونخوت سے بالکل نیست ونابود ہوکر برائیوں سے خالی اور بھلائیوں سے مالا مال ہوجاتا ہے۔ پھر اُس وقت پیر طریقت اس کو مقصود اعلیٰ اور مطلوب اقصیٰ کی طرف جو جل شانہ تعالیٰ ہے اُسے کھینچ لیتا ہے میرے استاد نے (اللہ تعالیٰ اُن کی برکتیں ہمیشہ رکھے) شیخ برہانپوری قدس سرہٗ سے سوال کیا کہ آج کل شیوخوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ مریدوں کو پہلے دعائیں اور وظائف بتا کر اُن کی عمروں کو صرف کرادیتے ہیں اور اس بات کا کچھ لحاظ و پروا نہیں کرتے۔ پس اُنہوں نے جواب دیا کہ جب وہ انھیں جذب کے سہارنے کی طاقت نہیں دیکھتے تو انہیں مشقت وریاضت کا حکم دیتے ہیں تاکہ ان میں تصفیہ حاصل ہوجائے بعد اس کے انہیں ادھر کھینچتے ہیں اور آخر میں کبھی ایسا اتفاق اس لئے ہوجاتا ہے کہ صوفی جب حق سبحانہ تعالیٰ کی تجلی ذاتی باصفاتی یا اسمائی کے ہونے پر تیار وآمادہ ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے اس پر عورتوں اور مردوں کی صورت میں تجلی فرماتا ہے اور یہ تجلی چکاچوند کرنے والی بجلی کے مانند ہوتی ہے پس وہ اس صورتوں کے دیکھتے ہی وہی لذت اور خط اُٹھاتا ہے جیسے اس وقت اسے میسر ہوتا ہے اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ وہ تجلی کامل افراد و اشخاص کے لئے برق خاطف کے مانند ہوتی ہے۔ اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ مذہب توحید وتحقیق میں کامل اُسے کہتے ہیں جو آنکھ سے جمال مطلق کو ظہور کونی اور حسّی میں اس طرح دیکھے جیسے اُس کا جمال مظہر روحانی ومعنوی میں بصیرت سے دیکھتا ہے کیونکہ پروردگار کے جمال باکمال کی دو حیثیتیں ہیں ایک اطلاق

دوسرے توحید اول تو وہی جمال ذاتی ہو یعنی جمال مطلق جیسے عارف فنافی اللہ دیکھتا ہے دوسرا وہ جمال تنزلی ہے جو مظاہر خمسیہ یا روحانی میں مشاہدہ ہوتا ہے بس عارف تو اُس جمال کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ تعالیٰ شانہ کا جمال ہے کہ جو مظہر حسی یا روحی میں جلوہ افروز ہے۔ اور جو عارف نہیں ہے وہ اس جمال کو جو چیز کہ اُسے سامنے دیکھائی دیتی ہے اس کا ہی تصور کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اور اُس صورت میں بڑا فرق ہے۔ پس اول تو عشق اور عبادت ہے اور دوسرا فسق اور کم فہمی اور مشائخ کا ان کے حق میں طعن کرنا مجہولوں کی اصلاح حال اور اس غرض سے ہے کہ اس امر کو وہ اپنا دستور نہ ٹھرالیں اور طریق واضح اُن سے چھپ نجاوے۔ اور میں نے اس مقام کی تحقیق مولوی عبدالرشید (نوٹ: دیکھو مکتوبات کلیمی مطبوعہ یوسفی ۱۳۰۱ھ ہجریہ صفحہ ۹۲ مکتوب صدو دہم ۱۲) کے ایک خط میں بہت اچھی طرح کی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ ظاہر صورت کو اختیار کرنا اور اس سے علاقہ پیدا کرنا اہل باطن کے واسطے تو جائز ہے مگر ہاں اس پر جم جانا اور اُس میں آخر عمر تک مستغرق رہنا یہ فقرا کے نزدیک درست نہیں ہے کیونکہ یہ کمال نقصان ہے اور نہ کسی سے اس طرح کی روایت آج تک پائی گئی بلکہ اس ورطہ سے گذر جانا ہی مقصود ہے اور اس سے خلاصی ہی خوب ہے۔

الحمداللہ تعالیٰ یہ چند سطر ماہ ذالحجہ ۱۳۰۴ھ ہجری میں تمام ہوئیں۔ فقط تمت

قطعہ تاریخ

قطعہ تاریخ من نتائج طبع وقاوحضرت قبلہ وکعبہ مولانا بالفضل اولا نامولوی محمد ذوالفقار حسین صاحب متخلص بہ غنی مدرس دویم اپر اسکول دہلی دام فیوضہیم

قاسم علی کلیمی لقب نور دیدہ ام — حقا سالۂ تو سراسر کرامت است
مردان حال وقال نماند نددرجہان — باقی اگر کس است بہ کنج قناعت است
زنہاردین گروہ جہالت شعار ہست — مصنوعی وجد کہ کنند ایں شرارت است
توفیق نیک بادیہ ارباب صوفیہ — زین سان چووجد وحال بود کے اباحت است
خواشد صدکتاب زحکمت مگرچہ سود — کافی برائے اہل نظر یک اشارت است

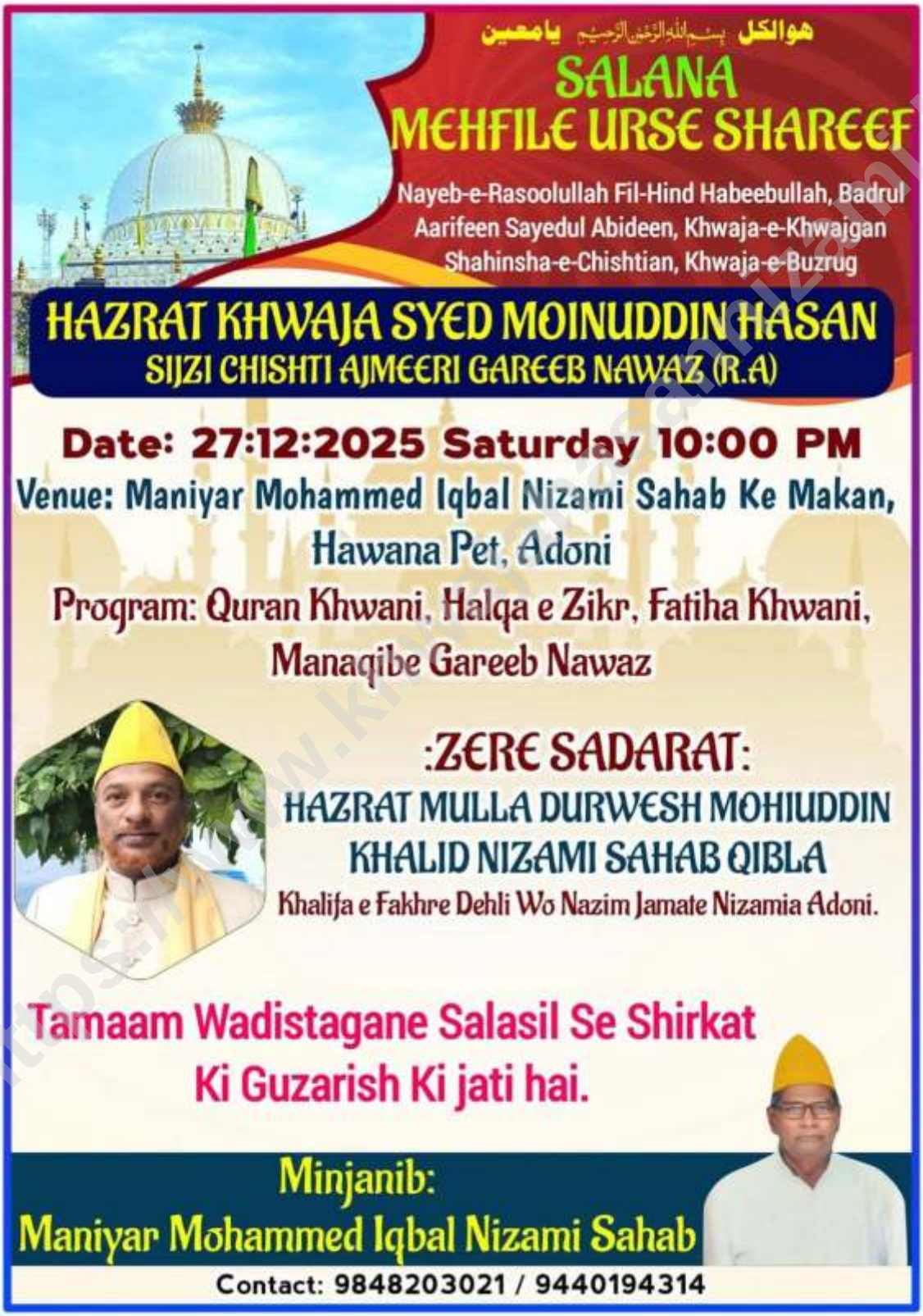
بین نسخۂ بدیع کہ بنمودہ رقم ۱۳۰۴
سالش غنی بگفت کتاب ہدایت است

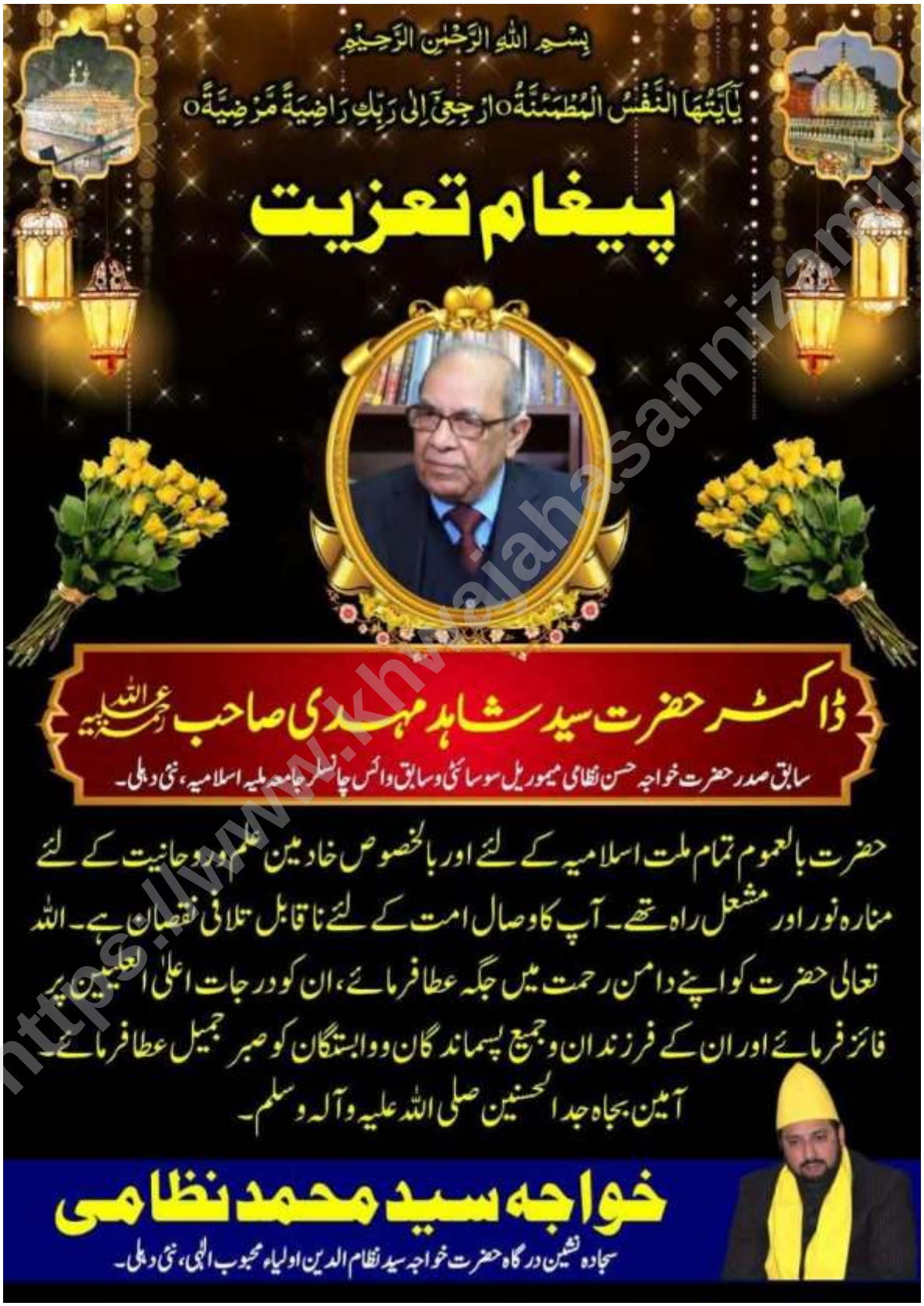
تمت تمام شد

حلقہ نظامیہ



© https://www.khwajahasannizami.life


هوالکل بسم اللہ الرحمن الرحیم یامعین
SALANA
MEHFILE URSE SHAREEF
Nayeb-e-Rasoolullah Fil-Hind Habeebullah, Badrul Aarifeen Sayedul Abideen, Khwaja-e-Khwajgan Shahinsha-e-Chishtian, Khwaja-e-Buzrug
HAZRAT KHWAJA SYED MOINUDDIN HASAN
SIJZI CHISHTI AJMEERI GAREEB NAWAZ (R.A)
Date: 27:12:2025 Saturday 10:00 PM
Venue: Maniyar Mohammed Iqbal Nizami Sahab Ke Makan, Hawana Pet, Adoni
Program: Quran Khwani, Halqa e Zikr, Fatiha Khwani, Manaqibe Gareeb Nawaz
:ZERE SADARAT:
HAZRAT MULLA DURWESH MOHIUDDIN KHALID NIZAMI SAHAB QIBLA
Khalifa e Fakhre Dehli Wo Nazim Jamate Nizamia Adoni.
Tamaam Wadistagane Salasil Se Shirkat Ki Guzarish Ki jati hai.
Minjanib:
Maniyar Mohammed Iqbal Nizami Sahab
Contact: 9848203021 / 9440194314



© https://www.khwajahasannizami.life














اللہ اکبر





















© http://www.khwajagharibnawaz.net

هوالکل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یامعین





فاتحہ اربعین







جانشین حضور فخر دلی حضرت خواجہ سید حسن ثانی نظامی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نوبہار چشتی نظامی چمن دلی رتن

حضرت خواجہ سید محمد نظامی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ

بمقام: خواجہ ہال، شمس العلماء حضرت خواجہ سید حسن نظامی دہلویؒ بستی حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاءؒ، نئی دہلی۔

بتاریخ: 12 مارچ 2026 بمطابق: 22 رمضان المبارک 1447 بروز جمعرات۔

پروگرام: بعد نماز عصر پیش کشئ چادر و گل، فاتحہ خوانی، افطار صوم،

بعد نماز مغرب لنگر

تمام محبین، متوسلین و برادران ملت اسلامیہ سے مودبانہ درخواست ہے کہ شرکت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

سوگوار:

خلیفہ حضرت فخر دلیؒ و جانشین دلی رتن حضرت خواجہ سید محمد نظامی دہلویؒ

خواجہ سید محمد شافی نظامی

سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ، نئی دہلی۔

Mobile: 9810020922 / 8800181650

© https://www.khwajasaheblzami.life